قرآن کریم اور سُنّت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد: ۸۹ شمارہ: ۱

محرم الحرام: ۱۴۴۷ھ - جولائی: ۲۰۲۵ء

قیمت فی شمارہ: ۷۰ روپے، زرِسالانہ: ۸۰۰ روپے

مُدیر، مُدیرمسئول

مولانا سیّد سُلیمان یوسُف بنوری

نائب مُدیر

مولانا سیّد احمد یوسُف بنوری

مُدیرمُعاوِن

مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

ناظِم

مولانا فضل حق یوسفی

خط وکتابت اور ترسیلِ زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ ''بینات'' جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن

کراچی، پوسٹ کوڈ: 74800، پوسٹ بکس نمبر: 3465

فون دفتر ''بینات'': 021-34927233

اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر: 7-397-0101900 برانچ کوڈ: 00816

مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ کراچی

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

یورپ اور امریکی ممالک، وغیرہ: 50 امریکی ڈالر

عرب اور ایشیائی ممالک، وغیرہ: 40 امریکی ڈالر

وضاحت

ماہنامہ ''بینات'' میں اشتہارات کی اشاعت کا مقصد تصدیق اور سفارش نہیں ہے۔ ادارہ معاملات کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

فون: 34913570 - 34123366 - 34121152 Ext. 146 - 147

فیکس: 92-21-34919531 +

Web: www.banuri.edu.pk *Email*: bayyinat@banuri.edu.pk

ناشر: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری مطبع: شفق پرنٹنگ پریس طابع: حافظ ثناء اللہ واحدی

فہرست مضامین

بصائر و عبر

ایران، اسرائیل جنگ اور امریکی کردار!	۳	محمد اعجاز مصطفیٰ

مقالات و مضامین

مکاتیب حضرت مولانا محمد یوسف کامل پوریؒ بنام حضرت بنوریؒ	۷	انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
عظمتِ اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم	۱۲	مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی
کتاب دوستی اور ہمارے اسلاف	۱۸	مولانا عصمت اللہ نظامانی
علمِ اصولِ فقہ کی اہمیت اور چند اہم فوائد!	۲۶	مفتی عبیدالرحمٰن
علاج کے شرعی اصول...احادیثِ صحاح ستہ کی روشنی میں	۳۱	ڈاکٹر مولانا فہد انوار
اَسلاف واکابر کی تواضع کے واقعات	۴۱	مفتی محمد طارق محمود
پانی کا انتظام اور اس کے فضائل!	۴۸	مولانا محمد عرفان اللہ اختر
ہیٹ ویو سے بچاؤ ... ایک دینی اور شرعی تقاضا	۵۱	مولانا ابوبکر حنفی شیخوپوری

یادِ رفتگان

ماں جی!!!	۵۴	ڈاکٹر مولانا سید احمد یوسف بنوری

دار الافتاء

لیبارٹری میں تیار شدہ گوشت کے استعمال کا حکم	۶۰	ادارہ
اُلٹی چپل کو سیدھا کرنے کا حکم	۶۱	

نقد و نظر

چند عبقری شخصیات	۶۲	ادارہ
تاریخی مکاتیب (جلد اول و دوم)	۶۳	

ایران، اسرائیل جنگ اور امریکی کردار!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی

اسرائیل یہودی ریاست ہے اور امریکا گو عیسائی ملک، لیکن یہ دونوں مل کر مسلم ممالک پر یکے بعد دیگرے حملہ آور ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

’’لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا‘‘ (المائدۃ:۸۲)

ترجمہ: ’’تُو پاوے گا سب سے زیادہ دشمن مسلمانوں کا یہودیوں کو اور مشرکوں کو۔‘‘

یہود کی مسلم دشمنی اور اسلام کے خلاف ان کی سازشیں تو مدینہ طیبہ میں بنونضیر اور بنوقریظہ کے دور سے چلی آرہی ہیں، لیکن عیسائی بھی مسلم کشی میں کسی سے پیچھے نہیں، کیونکہ ان دونوں کی یہ سوچ ہے کہ ہم سے بہتر اور اچھی قوم کوئی اور نہیں۔ قرآن کریم میں ارشادِ الٰہی ہے:

’’وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ‘‘ (المائدۃ:۱۸)

ترجمہ: ’’اور کہتے ہیں یہود اور نصاریٰ، ہم بیٹے ہیں اللہ کے اور اس کے پیارے، تُو کہہ، پھر کیوں عذاب کرتا ہے تم کو تمہارے گناہوں پر، کوئی نہیں، بلکہ تم بھی ایک آدمی ہو اس کی مخلوق میں، بخشے جس کو چاہے اور عذاب کرے جس کو چاہے۔‘‘

اسرائیل کو اہلِ غزہ پر ظلم ڈھاتے ہوئے تقریباً پونے دوسال ہونے کو ہیں، لیکن آج تک جب بھی قومی

سلامتی میں اہلِ غزہ کی اشک شوئی کے لیے کوئی قرارداد آتی ہے، امریکا ویٹو کردیتا ہے، لیکن اسرائیل کو جب بھی ضرورت پڑی، امریکا نے کھل کر اس کا ساتھ دیا۔ حالیہ ایران اسرائیل جنگ کے دوران بھی جب امریکا نے دیکھا کہ ایران کے مسلسل حملوں سے اسرائیل کمزور پڑ رہا ہے تو جنگ کے دسویں روز ۲۲ جون کی رات کو امریکا نے ایران کی جوہری تنصیبات پر حملہ کردیا، حالانکہ اس سے محض دو روز قبل پاکستانی آرمی چیف فیلڈ مارشل جنرل حافظ سیّد عاصم منیر سے ملاقات کے بعد امریکی صدر نے اعلان کیا تھا کہ امریکا نے اس جنگ میں شمولیت کا ارادہ دو ہفتے تک مؤخر کردیا ہے، لیکن ثابت ہوگیا کہ یہود و نصاریٰ مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لیے کسی بھی حد تک جاسکتے ہیں۔ جھوٹ بولنا اور وعدہ خلافی کرنا ان کی گھٹی میں پڑا ہے۔ امریکی صدر کی وعدہ خلافیوں کے تسلسل اور قول و فعل میں تضاد کو دیکھتے ہوئے اُمتِ مسلمہ اور پاکستان کے حق میں خصوصاً یہ دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ پاکستان، ہماری فوج اور پوری پاکستانی قوم کو دشمن کی سازشوں سے محفوظ فرمائے، آمین!

مشرقِ وسطیٰ کی موجودہ صورت حال سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہود کی طاقت کا محض ہوّا ہے اور یہ دنیاوی خداؤں کی مدد کے بغیر سرفرازی و سربلندی پر کبھی بھی فائز نہیں ہو سکتے، اس ابدی حقیقت کا اعلان قرآن کریم بہت پہلے کر چکا ہے:

’’ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ‘‘ (آل عمران:۱۱۲)

ترجمہ: ’’ماری گئی اُن پر ذلت جہاں دیکھے جائیں، سوائے دست آویز اللہ کے اور دست آویز لوگوں کے، اور کمایا انھوں نے غصہ اللہ کا اور لازم کردی گئی ان کے اوپر حاجت مندی۔‘‘

اسی ذلت و رسوائی سے نکلنے کے لیے اسرائیل نے بار بار امریکا کو پکارا، بالآخر امریکی صدر ٹرمپ جو امن کے نوبل انعام کا خواہش مند ہے، اس سے رہا نہ گیا اور وہ ایران پر حملہ آور ہوگیا، جب کہ اس سے قبل امریکی مندوب اقوام متحدہ میں اسرائیل کے ساتھ کھڑا ہونے کا اعلان بھی کر چکا تھا۔ اس سے واضح ہے کہ آج بھی اگر صہیونیت کے مغربی سرپرست اپنا دستِ تعاون کھینچ لیں تو اس دجالی ریاست کے زمین بوس ہونے میں دیر نہیں لگے گی۔

گو اس وقت اسرائیل اور ایران کے درمیان جنگ بندی ہوچکی ہے، لیکن اہلِ غزہ کے مظلوم و نہتے مسلمانوں پر اسرائیلی مظالم کا سلسلہ جاری ہے، گویا آگ ظاہری طور پر بجھانے کی کوشش کی گئی ہے، لیکن جو چنگاری سلگ رہی ہے، وہ کسی وقت بھی دوبارہ خطرناک آگ کی صورت بھڑک سکتی ہے، بطورِ خاص جب کہ اسرائیل کی طرف سے جنگ بندی قیامِ امن کے بجائے اپنے وقتی تحفظ اور دفاع کے لیے ہو، اس لیے پائیدار اور عالمی امن کا تقاضا ہے کہ مشرقِ وسطیٰ کو جنگ کے ہولناک اثرات سے محفوظ بنانے کے لیے تمام تر

اقدامات بروئے کار لائے جائیں۔ جنگ کا دائرہ وسیع ہونے کے نتیجے میں پوری دنیا ایک لامتناہی بحران میں مبتلا ہوسکتی ہے۔ اسرائیل خدانخواستہ اپنے منصوبے میں کامیاب ہوگیا تو دنیا کی دوسری بڑی قوتیں اور اسلامی ممالک بھی اس کے اثرات سے بچ نہیں پائیں گے، ایک اور عالمی جنگ ناگزیر ہوجائے گی جو عالم انسانیت کی تباہی کے لیے شاید آخری جنگ ثابت ہو۔

ایران اسرائیل جنگ سے پیدا شدہ حالات میں اقوام متحدہ کا بھی بہت بڑا امتحان ہے۔ اگر یہ عالمی ادارہ اسرائیل کو اس کے ناپاک عزائم سے روکنے میں کامیاب نہ ہوسکا تو اس کا انجام بھی لیگ آف نیشنز جیسا ہوگا، جو دوسری جنگِ عظیم کے بعد ختم کردی گئی تھی۔ ایسے عالم میں کہ ایک عالمی جنگ کے خطرات کرّۂ ارض پر چھائے محسوس ہورہے ہیں، اقوام متحدہ کو مستقل جنگ بندی اور پائیدار امن کے اقدامات پر فوری توجہ دینی چاہیے۔ او آئی سی اور دیگر بین الاقوامی تنظیموں کو بھی اس میدان میں متحرک نظر آنا چاہیے، جبکہ مسلم ممالک میں داخلی اتحاد و اتفاق ناگزیر ضرورت بن چکا ہے۔ ۵۷ اسلامی ممالک سمیت پوری عالمی برادری کو اس جنگ کی آگ کو مزید بھڑکنے سے پہلے بجھانے کی جلد اور نتیجہ خیز تدابیر کرنا ہوں گی، ورنہ اندیشہ ہے کہ کہیں مشرقِ وسطیٰ کا پورا خطہ اس جنگ کی لپیٹ میں نہ آجائے۔ ۲۱ جون کو او آئی سی کے اجلاس میں تمام مسلم ممالک نے مثالی اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ کیا ہے، اب ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام مسلم دنیا اپنے عمل کے ذریعے خطے میں جنگ مسلط کرنے والے مست ہاتھیوں کو یک بارگی نکیل ڈالے اور یہ باور کرائے کہ پوری اسلامی برادری کسی بھی جارحیت کے جواب میں وحدت کا نشان ہے۔

اسرائیلی جارحیت کی پاکستان نے پُرزور مذمت کی، سینیٹ کے اجلاس میں ایران پر اسرائیل کے حملے کے خلاف قرارداد منظور کی گئی ہے۔ سعودی عرب کی طرف سے بیان میں کہا گیا ہے کہ یہ ایران کی سلامتی اور خودمختاری پر حملہ اور بین الاقوامی قوانین کی صریحاً خلاف ورزی ہے۔ جمعیت علمائے اسلام کے قائد حضرت مولانا فضل الرحمٰن دامت برکاتہم نے چند روز قبل حیدرآباد میں ''دفاعِ وطن اور اسرائیل مردہ باد کانفرنس'' میں، اور اس کے بعد قومی اسمبلی کے اجلاس میں بھی واشگاف انداز میں کہا کہ ایران اسلامی برادری کا حصہ ہے اور ہم ایران پر اسرائیلی جارحیت کی محض مذمت نہیں کررہے، بلکہ ایران کے شانہ بشانہ کھڑے ہونے کا اعلان کرتے ہیں، حکومت پاکستان کو بھی ایران اور اہلِ غزہ کے حق میں کھل کر کھڑا ہوجانا چاہیے اور اسرائیل و امریکا کی جارحیت کی ہر سطح اور ہر مقام پر مذمت کرنی چاہیے، جو کہ پوری پاکستانی قوم کے دلوں کی آواز ہے۔ خدا کرے کہ جنگ کے یہ شعلے یہیں دب جائیں! اللہ تعالیٰ پورے عالم اسلام کی حفاظت فرمائے اور بیت المقدس کو صہیونی چنگل سے جلد چھٹکارا نصیب فرمائے، آمین بجاہ سید الأنبیاء والمرسلین!

بہرکیف! ۱۳ ؍روز سے جاری ایران، اسرائیل جنگ امریکی صدر ٹرمپ کے کہنے پر بند کردی گئی

ہے۔ صدر ٹرمپ نے اقوام متحدہ کے اجلاس میں بتایا کہ ایران کی جوہری صلاحیت ختم کر دی گئی ہے اور اسرائیل میں بہت تباہی ہوئی ہے، اور کہا کہ میں نے اسرائیلی وزیر اعظم نیتن یاہو سے سختی سے کہا کہ اپنے جہاز ایران سے واپس بلاؤ اور اس نے میری بات مان کر اپنے طیاروں کو واپس بلا لیا۔ اس طرح جنگ بند ہوگئی، گویا پاک' بھارت جنگ کی طرح یہاں امریکی صدر ایران' اسرائیل جنگ بندی کا سہرا بھی اپنے ماتھے پر سجا رہے ہیں۔

امریکی صدر کے اس رویے اور جنگی حالات کی یکسر تبدیلی نے تجزیات، واقعات اور چہ میگوئیوں کے کئی دریچے بھی کھول دیے ہیں۔ حقیقتِ حال کا علم تو اللہ تعالیٰ کو ہی ہے اور مزید وقت گزرنے کے ساتھ حالات سے پردہ بھی اُٹھتا رہے گا، تاہم عالمی پائیدار امن کے لیے ضروری تھا کہ مشرقِ وسطیٰ میں مکمل جنگ بندی کی جاتی، تاکہ اسرائیل کے غزہ پر حملوں کا سلسلہ تھمتا اور وہاں کے اصل مکینوں کی بحالی کی فکر کی جاتی۔ بہر حال! جزوی سہی، ایران اسرائیل جنگ بندی ہوگئی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ پورے عالم اسلام کی حفاظت فرمائے اور بیت المقدس کو صہیونی چنگل سے جلد چھٹکارا نصیب فرمائے، آمین بجاہ سید الأنبياء والمرسلين!

وصلّى الله تعالىٰ علىٰ خير خلقهٖ سيّدنا محمّد وعلىٰ آلهٖ وصحبهٖ أجمعين!

..... ❀ ..... ❀ ..... ❀ .....

مکاتیب حضرت مولانا محمد یوسف کامل پوری رحمۃ اللہ علیہ

بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت مولانا محمد یوسف کامل پوری رحمۃ اللہ علیہ بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

بگرامیِ خدمت جناب مولانا محمد یوسف صاحب دامت برکاتہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مکتوبِ سامی مطالعہ سے گزرا، ما فیہا سے اطلاع ہوئی، الحمد للہ کہ آپ بعافیت ہیں، حق تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ ہر دونوں صاحبان (۱) کو خیریت سے واپس لائے، کافی عرصہ ہو چکا ہے۔

میں بہت ہی نادم ہوں، اور ہر وقت دل ندامت میں غرق رہتا ہے کہ آپ کے بارے میں وہ کلماتِ ناشائستہ اور حروفِ نازیبا معرضِ تحریر میں آ گئے، اُمید ہے کہ معاف فرمائیں گے: والعفوُ مأمول! یہ بھی زمانہ کے تقلّب اور تصرّف کے اَلوان ہیں کہ مدح وکدح دونوں جمع ہو گئیں۔

آپ کی رنجش کا زیادہ فکر نہیں؛ کیونکہ ایسے وسائط موجود ہیں جو ظاہرًا آپ کو مجھ سے خوش رکھ سکتے ہیں۔ ''زیارت'' جانے کا خیال تھا، ایک روز ''کیمل پور'' میں جاتے جاتے اتفاقًا رہ گیا، اب خیال ہے کہ اگر قسمت نے مساعدت کی تو آپ کے قدوم کے وقت اس طرف جانا ہوگا۔ اس سال خبر نہیں کیا ہوا؟ دوست تو دوست، قبیلہ اور اہل القربیٰ ہی ایک دوسرے سے ناراض! دعا سے فراموش نہ فرمائیں۔ مجھے ''سریع الغضب'' ہونے کا مرض ہے، جو اکثر اوقات میرے لیے وبالِ جان بن جاتا ہے۔

(۱) حضرت والد ماجد اور مولانا احمد رضا بجنوری رحمہما اللہ

میں پھر آپ سے التجا کرتا ہوں کہ آپ میری زَلّتِ قلم کو معاف کریں گے: ’’التائب من الذنب کمن لا ذنب لہٗ.‘‘

پھر بھی میری تحریر تو صیغۂ راز ہی میں ہے، اور آپ کی تحریر تو کَنَارٍ علی علمٍ ہے، آپ کے بعض کلمات کی مراد یہ ہے کہ آپ نے محسوس کیا ہے کہ مجھے حسد ہے کہ آپ نے مقدمہ [1] کیوں تحریر کیا ہے؟ واللہ! میں آپ کے بارے میں اس مرض میں مبتلا نہیں ہوں، میں تو آپ کے بارے میں اس کا معتقد ہوں کہ آپ کے یہ کمالات کسبی نہیں ہیں، وہبی ہیں: ’’گفتۂ اُوگفتۂ اللہ بود!‘‘ یہ تو ’’منصور کے پردے میں خدا بول رہا ہے۔‘‘ پھر حسد کا کیا معنی؟! اور پھر میں حسب العادہ ہر جگہ آپ کی مدح میں رطبُ اللسان رہتا ہوں، اگرچہ آپ کو اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ خیال فرمایئے! کوئی حاسد، محسود کی مدح نہیں کرسکتا۔ میں کیا ہوں؟! میں تو قطرۂ ناچیز ہوں، اور آپ بحرِ بے کنار ہیں، پھر میں کیوں حسد کروں؟! الغرض کچھ امور ایسے آگئے ہیں کہ آپ کی طبیعت کچھ مُکدّر ہوگئی ہے، میں تو مکھی کی طرح ہوں، ہزار دفعہ ہٹایئے، پھر وہیں آجاتی ہے۔ آپ ہزار دفعہ ناراض ہوں میں آپ سے قطع نہیں کرسکتا۔ آپ کی مساعیِ جمیلہ سے میں ’’مجلسِ علمی‘‘ سے متعلق ہوا، اور مجھے فائدہ ہوا۔ یہ آپ کا احسان ہے، میں تو کچھ نہیں کرسکتا، حق تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ میرے اور آپ کے تعلقاتِ اولین ان اغراض سے مبرّا تھے، کسی کو کیا خبر تھی کہ درمیان میں آپ کا محتاج بھی ہوجاؤں گا۔ جو آپ نے کیا اس کا آپ کو حق تعالیٰ اجرِ جزیل عطا فرمائے، اور آئندہ کے لیے خدا مالک! ہاں! آپ کی دعاؤں کا محتاج ضرور ہوں۔

والسلام خیر الختام
وأنا الأحقر الداعي

محمد یوسف
از قصبہ اکھوڑی، ضلع کامل پور
۳۰؍ شعبان

پس نوشت: محمد اکبر موچی آپ سے سلام عرض کرتا ہے۔

حضرة السيد البنوري دام فضلُه السامي!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مکتوبِ کریم باعثِ شفا ہوا، الحمد للہ کہ آپ اپنے کلماتِ طیبہ سے میرے جیسے تنگ ظرفوں کی اصلاح فرماتے رہتے ہیں۔ مقدمہ زیلعی (مقدمہ ’’نصب الرأية‘‘ للزیلعیؒ) من أوله إلى آخره ایک دن میں ختم

(۱) بہ ظاہر ’’فيض الباري‘‘ یا ’’نصب الرأية‘‘ کا مقدمہ مراد ہے۔

کردیا، ماشاءاللہ حضرت کوثری وقیصری دونوں ’’كَفَرَسَيْ رِهَانٍ يَجْرِيَانِ‘‘ کا نمونہ معلوم ہوتے ہیں۔ کوثری صاحب اگرچہ مصری ہیں، مگر ہمارے یوسف مصری بھی ان سے کم نہیں۔ الغرض ’’كُلُّها دُرَرٌ إلٰى دُرَرٍ، وَغُرَرٌ إلٰى غُرَرٍ‘‘ بے شک قسّامِ ازل نے اس کتاب کے لیے اسی مقدمہ کو مُختار کیا تھا، بارك الله فيكما بركةً حسنةً، ومتّعنا اللهُ بفوائدكم المُمْتعة!

حق تعالیٰ جلد وہ دن منتظَر لائیں کہ آپ حضرات کی زیارت سے چشمِ ما روشن ودلِ ما شاد ہو۔ عافاكما الله حلًّا ومُرتحلًا أينما كنتم!

والسلام

الأحقر الداعي إلى الخير

محمد یوسف عفا عنہ

از جامعہ اسلامیہ، ڈابھیل، سورت

پس نوشت: ’’شرح القاموس‘‘ للزبيديؒ، و ’’شرحه على الإحياء‘‘، و ’’لسان العرب‘‘ جو حال میں طبع ہورہی ہے، اور ’’فتح الباري‘‘ کی قیمت استفسار فرماکر مطلع کریں۔

میں نے پہلے بھی ایک پرچہ مشتمل بر کتب ارسال کیا ہے، مگر اندازہ ہے کہ اگر وہ اب کتابیں خریدی جائیں تو پانصد روپیہ (۵۰۰) سے کم نہ ہونا چاہیے۔

آپ کا کیا مشورہ ہے؟ چند ضروری کتابوں پر اکتفا کروں یا وہ فہرستِ مرسلہ پوری کی پوری خریدوں؟ دوبارہ پھر ایک فہرست تیار کی ہے، اور سورتی وغیرہ سے بعض کتب کے اَثمان بھی معلوم کیے ہیں، وہ ان شاء اللہ عنقریب ارسال کروں گا، اُمید ہے کہ آپ بہتر مشورہ دیں گے۔ آپ کا مصر میں ہونا بھی ایک غنیمتِ باردہ ہے، ایسے مواقع کب نصیب ہوتے ہیں کہ ایسے مکرّم جُہبذ جَہید سے پوری رعایت کے ساتھ کتابیں خرید دیں؟! اور ہندوستانی تجّار تو زیادہ گراں فروش ہیں، ایک دفعہ کا معاملہ ہے، زندگی بھر پھر حاجت نہ رہے گی، بيّنوا تُوجروا!

سامي المقام مولانا محمد يوسف البنوري دام فضلُهُ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

أما بعد! بواسطہ عبداللہ رشیدی خطیب سورتی مسجد رنگون معلوم ہوا کہ آپ بعافیت وسلامت ساحل پر اُتر گئے ہیں۔ الحمد للہ کہ یہ سفر مبارک درمبارک بحسن وخوبی ختم ہوا، اور فوائد وبرکات سے مالا مال ہوئے، اور

حق تعالیٰ سے اُمید ہے کہ آپ کے انفاسِ کریمانہ و برکاتِ عمیمانہ سے اس احقر کو دائمًا متمتّع وفیض یاب کرے۔ ’’برکریماں کارہا دشوار نیست!‘‘

احقر کو اپنا مخلصِ قدیمی تصور فرماویں، میں آپ کا حلقہ بگوش ہوں، ہاں ضَجُوْر، ضَیِّق صدر ہوں، کبھی کبھی بعض حالات سے جزع فزع کرنے پر مجبور ہوجاتا ہوں:

هنيئًا مريئًا غير داءٍ مُخامرٍ
لعزّة من أعراضنا مااستحلّت(۱)

خداوندِ کریم ہمارے تعلقات کو استوار فرمادے، اور جس طرح کہ یہ رابطہ پہلے بے لوث تھا، آخر تک ایسا ہی رہے، اور دعا فرمادیں کہ حق تعالیٰ میرے لیے احسن انتظام فرمادے، کما هو المرجوّ من حضرتهٖ تعالیٰ.

حالات مزاجِ گرامی سے مطلع فرمادیں، باقی سب خیریت ہے۔ عزیز قاسم جان (بنوری) کو سلام، مولانا برہان الدین ومولانا سید ایوب جان (بنوری) کی خدمت میں ہدیۂ سلام مسنون، سردار گل کو سلام علیکم!

الداعي بالخير

محمد یوسف کامل پوری عفاعنہ

پس نوشت: والد صاحب نے ایک جبّہ قیمتی بخاری عطیہ کیا تھا، وہ آپ کے لیے مولانا نافع کی خدمت میں رکھ دیا گیا ہے، اُمید ہے کہ برقامتِ زیبائے شُمارَاست می آید! والسلام مع الإكرام

کتابوں کے متعلق ارسال فرماویں کہ پہنچی ہیں یا نہیں؟ ’’مجلسِ علمی‘‘ کی کتابیں ابھی مصر سے روانہ نہیں ہوئیں، خدا جانے کیا بات ہے؟! خدا رحم فرمادے۔

سب احباب خیریت سے ہیں، مولانا محمد نور صاحب مدرّسِ مدرسہ ہذا سلامِ مسنون عرض کرتے ہیں۔

جامع الفضائل والمكارم مولانا صاحب دام مجدُہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

رقیمہ کریمہ نے مسرور کیا، حالاتِ کریمہ سے مطلع فرماتے رہا کریں بالذات أو بالواسطة، وهي أيضا غنيمة كبرى.

(۱) اسے مبارک ہو، اسے ہضم ہو، یہ ایسا مرض نہیں جس میں پیٹ پھول جائے۔ عزّہ (محبوبہ) ہماری عزتوں کو حلال سمجھے تو اس کے لیے حلال ہیں۔

’’تاج العروس‘‘ آپ ہی کے لیے زیادہ موزوں ہے، آپ شوق سے زینتِ’’ مکتبہ یوسفیہ‘‘ بنایئے، اگر قدرتِ ایزدی نے توفیق بخشی اور کسی کام کی توفیق ہوئی تو آپ سے مستعار لے لیں گے۔ میری رقم تو ’’مجلسِ علمی‘‘ کے پاس کافی تھی، نامعلوم کہ ناظم صاحب کو کیا صورت پیش آئی کہ میرے لیے تفسیر میں سے ’’روح المعاني‘‘ اور (تفسیر) ’’ابن کثیر‘‘ نہ خرید سکے۔ آپ نے اپنے لیے تو مصر کے مکاتب کو غربال (چھلنی) کی چھان بین کر نوادر و عجائبات کا انتخاب کیا ہوگا، اور ایسا ہی اپنے ’’عضدًا یمینًا‘‘ مولانا نافع (مولانا عبدالحق نافع گل رحمہ اللہ) کے لیے بھی۔ کتابیں میری بھی بہت اچھی ہیں، مگر چند کتب کی ہوس باقی ہے، مثلاً ’’طبقات الشافعیة الکبریٰ‘‘، ’’کتاب الاعتصام‘‘، ’’زاد المعاد‘‘، (شرح) ’’الزرقاني علی المواهب‘‘، خیر!

عمرے باید کہ یار آید بکنار | ایں دولت است سرمد ہمہ کس را ندہند

اُمید ہے کہ آپ اپنے خانہ و مال میں خیریت سے ہوں گے، اگر کابل ولغمان کے مناظر دلکشا و سلسلہ کوہسار کی سیر نصیب ہو تو سونے پر سہاگہ ہے۔ حضرت والد ماجد کی خدمت میں سلام عرض کرنا، شاید کہ آپ کے قدومِ میمنت لزوم سے ان کے مصائب میں کوئی تخفیف ہوجائے، اور وہ عقدہ وثیقہ حل ہوجائے۔ خدا کرے کہ حق تعالیٰ آپ کو یوسفِ مصر ہر طرح سے کردے۔ اور باوجود ایں ہمہ دانی و ہمہ گیری کے ’’ما غریباں و عاجزاں مثلِ مور‘‘ پر بھی نظر رہے:

سلیمان باہمہ حشمت نظرہا بود بر مورش

زیادہ بجز دعاء صمیم قلب کیا عرض کروں؟! عزیز قاسم (جان بنوری) و مولانا ایوب (جان بنوری) و مولانا برہان الدین کی خدمت میں سلام علیکم عرض کردیں۔

آپ کا مخلص خادم غیر مُصانع ولا مُرائي

محمد یوسف عفا اللہ عنہ

از مدرسہ ڈابھیل، سورت

باسمہٖ سبحانہٗ

مولانا المکرّم عافاکم اللہ وإیانا!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اُمید ہے کل آپ بعافیت دارالعلوم ڈابھیل پہنچ گئے ہوں گے، میں طوعًا و کرھًا اپنے مقام پر

پہنچا، اپنی طبیعت و وخامتِ ماحول سے نہایت محبوس ہوں:

اے روشنی طبع تو بر من بلا شدی!

خطّابیؒ کا مقولہ حسبًا بحالي صادق ہے: ''أقربُ الناس إليّ نسبًا أبعد الناس إليّ مذاقًا'' (میرا سب سے قریبی نسبی رشتہ دار، مزاج و مذاق کے اعتبار سے مجھ سے سب سے زیادہ دور ہے)۔ اپنے بختِ معکوس سے نالاں ہوں، حق تعالیٰ کی رحمت کے بغیر ہر باب مسدود ہے، نقود بھی والد صاحب کے ہاتھ میں آ گئے، ورنہ مطب کا سلسلہ قائم کرنے کا بھی خیال تھا، اب بالکل ''کالمیّت في يد الغسّال'' ہوں، زمانہ کی حالت ناکافی ثابت ہوئی، اگر کفاف وقُوت بلا احتیاجِ دگر حاصل ہوجاتی تو بھی مَغنَمِ بارد تھی، مگر کیا کہوں؟!

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

اگر میری طبیعت بدیں صورت نہ ہوتی تو بھی چنداں رنج وملال نہ ہوتا، خیر مقدور کی بات ہے، حق تعالیٰ آپ کی ہستی کو تسقیۂ علوم کے لیے ہمیشہ شاد وخرّم زندہ رکھے:

ہر کسے را بہر کارے ساختند!

اپنے مشاغلِ متبرّ کہ سے مطلع فرماویں۔ میرا یہ مکتوب میرے درد کا غبار ہے، میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں، تا کہ آپ کی طبیعت پریشان نہ ہوجاوے، وقال الإمام الشافعي رحمه الله تعالىٰ:

وَلَرُبَّ نَازِلَةٍ يَضِيْقُ بِهَا الْفَتٰى
ذَرْعًا وَعِنْدَ اللهِ مِنْهَا الْمَخْرَجُ
ضَاقَتْ فَلَمَّا اسْتَحْكَمَتْ حَلَقَاتُهَا
فُرِجَتْ وَكَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّا يُفْرَجِ (۱)

وأنا الأفقر إلى الله، المسجون في دار البطالة والجهالة

محمد یوسف عفا الله عنه وأغناه عما سواه

في قرية اکھوڑی، کامل پور

يوم الأربعاء، الرابع من ذي القعدة

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

(۱) بہت سے مصائب کی وجہ سے انسان تنگ دل ہوتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان سے چھٹکارے کی راہ ہوتی ہے۔ جب ان حوادث کی جڑیں مضبوط ہوجاتی ہیں تو ان سے خلاصی مل جاتی ہے، جبکہ بندہ یہ گمان کرنے لگتا ہے کہ اب ان سے نجات نہیں مل پائے گی۔

عظمتِ اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم

مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی
انڈیا

دینِ اسلام میں صحابۂ کرام اور اہلِ بیتِ اطہار (رضی اللہ عنہم) کی عظمتِ شان اور بلندیِ مقام کا کون انکار کرسکتا ہے؟ یہ وہی پاک باز ہستیاں ہیں جن کو رب العالمین نے اپنے نبی کی صحبت کے لیے چنا، جن کی آنکھوں نے نبی کے رخِ انور کا دیدار کیا، جنہوں نے مشکوٰۃِ نبوت سے براہِ راست استفادہ کیا، جن کی وساطت اور پیہم قربانیوں سے دین ہم تک پہنچا، قرآن وحدیث کا علم ہمیں حاصل ہوا اور ہم عرفانِ حق کی منزل تک رسائی میں کامیاب ہوئے، لہٰذا جس طرح نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا، آپ سے محبت کرنا ہر مسلمان کے لیے لازم وضروری ہے، اسی طرح صحابۂ کرامؓ اور خصوصاً اہلِ بیت سے محبت کرنا بھی ایمان کا جز، تعلیماتِ اسلام کا حصہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا تقاضا ہے، جس کے بغیر دین ناقص وادھورا ہے۔

یہ حضرات دینِ اسلام کے نقیب ومنادی، قرآن مجید کے امین و پاسبان اور احادیثِ مبارکہ کے شارح وترجمان ہیں، جو اعلیٰ اخلاق وکردار کے حامل اور ہمت وعزیمت، شجاعت وحمیت اور حق گوئی و بے باکی کے علم بردار ہیں، نیز اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لیے ہمہ وقت سرگرداں، اُمت کی اصلاح وتربیت کے لیے مسلسل کوشاں اور دنیا وآخرت میں اُمت کی کامیابی وکامرانی کے خواہاں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرما جانے کے بعد سے کربلا تک، حضرات اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم کی دعوت وتبلیغ، جہاد وسرفروشی اور شہادت وجاں سپاری کی ناقابلِ فراموش خدمات وکارناموں کا ایک زرّیں تسلسل ہے، جس کا تذکرہ ان شاء اللہ قیامت تک جاری وساری رہے گا۔

اس میں ذرہ برابر کوئی شبہ نہیں کہ جس کو جس قدر نسبتِ قریبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہے، اس کی تعظیم ومحبت بھی اسی پیمانے پر واجب ولازم ہے اور فطری طور پر انسان اپنی ازواج اور صلبی اولاد سے محبت کرتا ہے؛ اس لیے جہاں ہمیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا حکم ہے، وہیں آپ کی آلؓ واولادؓ اور آپ کے صحابہؓ سے

بھی محبت کا حکم ہے۔ مختصر یہ کہ حُبِ اہلِ بیت وآلِ رسول ﷺ کا مسئلہ امت میں کبھی زیرِ اختلاف نہیں رہا، باجماع واتفاق ان کی محبت وعظمت لازم ہے۔ اختلافات وہاں پیدا ہوتے ہیں جہاں دوسروں کی عظمتوں پر حملہ کیا جاتا ہے، ورنہ آل رسول ﷺ ہونے کی حیثیت سے عام سادات خواہ ان کا سلسلۂ نسبت کتنا ہی بعید ہو اُن کی محبت وعظمت عین سعادت واجروثواب ہے، یہی جمہور امت کا مسلک ومذہب ہے۔

اہلِ بیتؓ سے کون مراد ہیں؟

یہ حقیقت قابلِ ذکر ہے کہ اہلِ بیت نبوی میں حضور ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن (جن کی تعداد گیارہ ہے)، آپ ﷺ کی ذریاتِ طیبات رضی اللہ عنہن (جن کی تعداد سات ہے) اور بنو ہاشم کی آل واولاد سب ہی شامل ہیں؛ کیوں کہ قرآن مجید نے حضرات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہی کو اہلِ بیت کہا ہے؛ چنانچہ سورۂ احزاب کی آیتِ تطہیر میں مذکور ''اہلِ بیت'' کا لفظ ازواجِ مطہراتؓ کے لیے استعمال ہوا ہے اور اس کی اولین مصداق حضرات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہی ہیں، اس آیتِ کریمہ کا سیاق وسباق بھی اسی کا متقاضی ہے۔ نیز قرآن مجید کی دیگر آیاتِ کریمہ (سورۂ ہود اور سورۂ قصص) میں بھی بیوی (گھر والی) کو اہلِ بیتؓ کہا گیا ہے۔ اور اس آیت (آیتِ تطہیر) کے ذیل میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول منقول ہے۔'' (فتح القدیر)

اہلِ بیتؓ کے حقوق

حضرات اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم کے فضائل احادیث وآثار اور اقوالِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں کثرت سے بیان ہوئے ہیں۔ احادیث وسیرت کی مشہور کتابوں میں ان کے فضائل ومناقب کے ابواب قائم کیے گئے ہیں اور بہت تفصیل کے ساتھ ان کے فضائل مذکور ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ احادیثِ مبارکہ میں ان کے کچھ حقوق بھی بیان کیے گئے ہیں، ان حقوق میں سب سے اہم حق یہ ہے کہ حضرات اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کی تعظیم وتکریم کی جائے، ان کے شایانِ شان ان کا احترام واکرام کیا جائے، ان کا ذکرِ خیر کیا جائے، ان سے ربط وتعلق رکھا جائے اور ان سے خصوصی محبت وعقیدت کا معاملہ کیا جائے؛ کیوں کہ حضرات اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم سے محبت وعقیدت رکھنا کامل ایمان کے حصول کا باعث ہے، ایک حدیث میں آپ رضی اللہ عنہم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے لوگوں کے ان کے ساتھ رویّے کی شکایت پر نہایت ہی بلیغ ومؤثر انداز میں ارشاد فرمایا کہ:

> ''قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کسی شخص کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوگا، اگر وہ تم (اہل بیت رضی اللہ عنہم) کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت وخوشنودی حاصل کرنے کے لیے دوست نہیں رکھے۔'' (ترمذی)

فی الواقع حضرات اہل بیت سے محبت رکھنا، اللہ تعالیٰ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی دلیل ہے، ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''تم (سب) اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو، کیوں کہ وہی اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی نعمتوں سے رزق پہنچاتا ہے اور تمہاری پرورش کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کی بنا پر مجھ سے محبت رکھو اور میری محبت کی وجہ سے میرے اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کو عزیز ومحبوب رکھو۔'' (ترمذی)

ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چہیتی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کر کے پوری اُمت کو حضرات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن خصوصاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت وعقیدت رکھنے کا حکم عام دیا ہے، حدیث پاک کے الفاظ یہ ہیں کہ:

''پیاری بیٹی! جس سے میں محبت کرتا ہوں کیا تم اس سے محبت نہیں رکھتی؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ کیوں نہیں! پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تب تم بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت رکھا کرو۔'' (بخاری ومسلم)

حضرات اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم کا دوسرا اہم حق یہ ہے کہ ان کی سیرت وکردار کو اور ان کے اعمال وافعال کو اختیار کیا جائے، دینی معاملات میں ان کی اتباع وپیروی کی جائے، کیوں کہ قرآن مجید کے بعد حضرات اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم ہی اطاعت واقتدا کے قابل ہیں، احادیثِ مبارکہ میں ان کی اتباع وپیروی کی تاکید وترغیب بہت ہی مؤثر انداز میں بیان ہوئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امتِ مسلمہ کو یہ مژدہ سنایا ہے کہ:

''میں دنیا سے جا رہا ہوں؛ لیکن (ہدایت ورہنمائی کے لیے) تمہارے درمیان قرآن مجید اور اپنے خاندان والوں کو چھوڑ رہا ہوں، میرے بعد جب تک تم انہیں پکڑے رہو گے، کبھی گمراہ نہ ہو گے، ایک چیز ان میں دوسری چیز سے عظیم تر ہے، وہ ایک تو اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن مجید) ہے اور وہ آسمان سے زمین تک پھیلی ہوئی اللہ تعالیٰ کی رسی ہے، اور دوسری (چیز) میری اولاد، میرے گھر والے ہیں۔'' (ترمذی)

اس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم اور اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کے اتباع کی تاکید فرمائی ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم سب کے سب اعلیٰ درجہ کے متبع سنت تھے، اس اعتبار سے ان کی اتباع بھی سنت ہی کی اتباع تھی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کی طرف اگر کوئی ایسی بات منسوب ہو جو قرآن وسنت کے واضح حکم کے خلاف ہو، تو اس کا قطعاً اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ پیغمبر علیہ السلام کے اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کے اتباع کے حکم کو آڑ بنا کر روافض نے حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کی طرف بہت سی ایسی باتیں منسوب کی ہیں جو قطعاً خلافِ واقعہ ہیں۔ حضرات اہلِ بیت رضی اللہ عنہم اس طرح کی جھوٹی اور من گھڑت باتوں سے بالکل بری ہیں، اور امت کے لیے ایسی

باتوں پر اعتماد کرنا جائز نہیں۔حضرات اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کے مذکورہ بالا حقوق کے علاوہ اور بھی کچھ چھوٹے بڑے حقوق ہیں، ان میں خیرخواہی و ہمدردی اور مدد و تعاون سرِفہرست حقوق ہیں۔(ملخص از خطباتِ حبان)

اہلِ بیت اطہارؓ کے مجاہدات

اہلِ بیت اطہارؓ کی قربانیاں، ان کی جد و جہد اور دین کے سلسلہ میں ان کی مساعیِ جمیلہ بے حد وحساب ہیں؛ اس لیے کہ یہ حضرات اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم اللہ تبارک وتعالیٰ کے خصوصی ہدایت یافتہ اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثالی تربیت سے سرفراز ہیں۔سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح آپ کے اہلِ بیت کی زندگی بھی سراپا زہد و مجاہدہ تھی، قربانی کے ہر موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ بیتؓ آگے رہتے تھے اور منافع کے ہر موقع پر پیچھے رہتے تھے، روایات میں آتا ہے کہ:

> ’’آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحابؓ کو خادم عطا فرمائے؛ مگر اپنی لختِ جگر حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو ضرورت کے باوجود نہیں دیا؛ بلکہ انہیں تسبیحات واذکار کی پابندی کا حکم دیتے ہوئے اسے خادم سے بہتر بتایا۔‘‘ (بخاری شریف)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہراتؓ بے انتہا قناعت پسند اور صبر شعار خواتین تھیں، اکثر فقر وفاقہ کی زندگی گزارتی تھیں۔فتحِ خیبر کے بعد جب مسلمانوں کو اچھی خاصی مالی وسعت ہوگئی تو ازواجِ مطہراتؓ کو فطری طور پر یہ خیال گزرا کہ اب ہمارے نفقہ میں بھی معقول اضافہ ہونا چاہیے، اسی خواہش کا اظہار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کی اذیت کے لیے دنیا طلبی کی اتنی جھلک بھی بہت تھی کہ دنیا اختیار کرنا چاہیں تو اختیار کرلیں، اس پر آیاتِ تخییر نازل ہوئیں جن میں یہ اختیار دینے کو تو دے دیا گیا؛ لیکن اس کے مل جانے کے بعد حضرت عائشہؓ سے لے کر کسی ایک بیوی صاحبہ تک نے عیشِ دنیا کو ترجیح نہ دی، سب کی سب بدستور اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وابستہ رہیں۔

امام ابن ماجہؒ نے ’’كتاب الفتن‘‘ میں ’’باب خروج المهدي‘‘ کے تحت ایک روایت نقل فرمائی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

> ’’ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں بنی ہاشم کے چندنوجوان آئے، جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا، تو آپ کی آنکھیں بھر آئیں، اور آپ کا رنگ بدل گیا، میں نے عرض کیا: ہم آپ کے چہرے میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی ایسی بات ضرور دیکھتے ہیں جسے ہم اچھا نہیں سمجھتے (یعنی آپ کے رنج سے ہمیشہ صدمہ ہوتا ہے)، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’ہم اس گھرانے والے ہیں جن کے لیے اللہ نے دنیا کے مقابلے آخرت پسند کی ہے، میرے بعد بہت جلد ہی

میرے اہل بیتؓ مصیبت، سختی، اِخراج اور جلا وطنی میں مبتلا ہوں گے، یہاں تک کہ مشرق کی طرف سے کچھ لوگ آئیں گے، جن کے ساتھ سیاہ جھنڈے ہوں گے، وہ خیر (خزانہ) طلب کریں گے، لوگ انہیں نہ دیں گے تو وہ لوگوں سے جنگ کریں گے، اور (اللہ کی طرف سے) ان کی مدد ہوگی، پھر وہ جو مانگتے تھے، وہ انہیں دیا جائے گا، (یعنی لوگ ان کی حکومت پر راضی ہو جائیں گے اور خزانہ سونپ دیں گے)، یہ لوگ اس وقت اپنے لیے حکومت قبول نہ کریں گے، یہاں تک کہ میرے اہلِ بیتؓ میں سے ایک شخص کو یہ خزانہ اور حکومت سونپ دیں گے، وہ شخص زمین کو اس طرح عدل سے بھر دے گا جس طرح لوگوں نے اُسے ظلم سے بھر دیا تھا، لہٰذا تم میں سے جو شخص اس زمانہ کو پائے وہ ان لوگوں کے ساتھ (لشکر میں) شریک ہو، اگر چہ اسے گھٹنوں کے بل برف پر کیوں نہ چلنا پڑے۔''

المختصر! آج ملت کا شیرازہ مختلف جماعتوں، فرقوں اور گروہوں میں تقسیم ہو کر ملتِ واحدہ کی شناخت کھو چکا ہے، ہر جماعت خود کو برحق، ہر فرقہ خود کو صحیح اور ہر گروہ خود کو جنتی باور کروا رہا ہے، ایسے میں ہمیں صحابۂ کرامؓ اور اہلِ بیتؓ کے طریق کو لازم پکڑنا چاہیے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور خلفائے راشدینؓ کے طریقے پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''میری اُمت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی، سوائے ایک جماعت کے سب دوزخ میں جائیں گے، عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کون سا گروہ ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ وہ جماعت ہوگی جو اس راستے پر چلے گی جس پر میں اور میرے صحابہؓ ہیں۔'' (ترمذی)

(بشکریہ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند بتغییر یسیر)

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

کتاب دوستی اور ہمارے اسلاف

مولانا عصمت اللہ نظامانی
متخصصِ جامعہ

اگر ہم اپنے اسلاف واکابرین کی زندگی اور سوانح حیات کا مطالعہ کریں تو یہ بات ہم پر بالکل واضح وعیاں ہوگی کہ ہمارے اکابر علم سے محبت رکھنے والے اور کتاب دوست تھے۔ ان کی زندگی کا محور کتاب ہوتی تھی، کتابیں پڑھنا، انہیں خریدنا، اور اپنے پاس جمع کرنا ان کا محبوب مشغلہ ہوتا تھا، کتابوں کے حصول کے لیے مال خرچ کرنے سے ان کو راحت وسکون ملتا تھا، کتابوں کی درمیان بیٹھنا ان کے لیے پُرکیف ہوتا تھا، انہیں کتابوں سے انتہائی لگن تھی، جس کی بنا پر ان میں کسی فرد کے پاس ایک لاکھ کتابیں ہوتی تھیں [۱] تو کسی کے پاس دو لاکھ کتابیں۔ [۲] کوئی راستے میں چلتے ہوئے بھی کتاب پڑھتا تھا، [۳] تو کوئی کتابوں کی محبت میں مفلس ومقروض ہوگیا۔ [۴] الغرض کتابوں کی مجلس میں ہی ان کے شب وروز گزرتے تھے، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ علم میں کامل رسوخ حاصل ہوتا، اور بہترین استعداد واعلیٰ صلاحیتوں کے مالک ہوتے، دین وملت کی رہنمائی کرتے، اور شاندار علمی خدمات سرانجام دیتے تھے۔ ذیل میں کتاب کی اہمیت وضرورت اور اسلاف واکابرین کے کتاب دوستی کے سلسلے میں واقعات وارشادات ذکر کیے جارہے ہیں؛ تاکہ ان کا مطالعہ کرنے سے ہمیں بھی کتابوں کا ذوق ہو۔

کتاب ایک بہترین دوست اور ساتھی

یہ بات کسی پر مخفی نہیں ہوگی کہ اچھی کتاب ایک دوست کا کام سرانجام دیتی ہے، جس سے آپ کامیابی کا راستہ، ہدایت کی راہ، اور ضرر ونقصان دہ چیزوں سے حفاظت کا طریقہ معلوم کرسکتے ہیں، ایک حقیقی دوست کی طرح مفید کتاب کبھی نقصان نہیں پہنچائے گی، اس سے آپ ہمیشہ نفع اور بھلائی ہی پائیں گے، چنانچہ مشہور مؤرخ خطیب بغدادی (ت: ۴۶۲ھ) رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک جگہ کتابوں کی تعریف وتوصیف بیان کرتے ہوئے، انہیں بہترین دوست اور عمدہ ساتھی قرار دیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

’’قلت: ومع ما في الكتب من المنافع العميمة والمفاخر العظيمة، فهي أكرم

مال وأنفس جمال، والكتاب آمن جليس، وأسر أنيس، وأسلم نديم، وأفصح كليم.''(۵)

ترجمہ: ''کتابوں میں موجود عمومی منافع اور بڑی قابلِ فخر چیزوں کے علاوہ، وہ بہترین مال اور انتہائی نفیس جمال وخوبصورتی ہیں۔ کتاب بہت پُرامن ہم مجلس ہے، بڑا رازدان دوست، سلامتی والا ساتھی اور انتہائی فصیح سخن گو ہے۔''

کتابیں علم کا ستون

کتابیں علم کا ستون ہیں، جس طرح عمارت کا ستون کے بغیر مضبوط و پائیدار ہونا مشکل ہے، اسی طرح کتابوں کے بغیر علم کا حصول واستحضار بھی بہت مشکل ہے۔ کتابوں کے ذریعے ہی علم میں رسوخ وپختگی حاصل ہوسکتی ہے، چنانچہ علامہ ابنِ حزمؒ نے بھی کتابوں کی کثرت کو علم کا ایک ستون شمار کیا ہے، اور پھر شاندار انداز میں کتاب کی ضرورت واہمیت اُجاگر کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

''ودعائم العلم مشهورة مستحكمة يؤثر بها العلم على سائر أعراض الدنيا . . . والاستكثار من الكتب، فلن يخلو كتاب من فائدة وزيادة علم يجدها فيه إذا احتاج إليها. . . ولولا الكتب لضاعت العلوم ولم توجد.''(۶)

ترجمہ: ''علم کے ستون مشہور ومضبوط ہیں، جن کے سبب علم کو دنیا کی تمام چیزوں پر ترجیح دی جائے گی . . . ان میں سے ایک ستون کتابوں کی کثرت ہے، کوئی کتاب فائدے اور علمی زیادتی سے ہرگز خالی نہیں ہوتی، جسے پڑھنے والا اس میں پائے گا، جب بھی اس کا محتاج ہوگا، . . . پھر فرمایا کہ اگر کتابیں نہ ہوتیں تو علوم ضائع ہوجاتے اور ان کا وجود بھی نہ ہوتا۔''

کتابیں خریدنے کی لذت

جس شخص کو حصولِ علم کا شوق، اور کتابیں پڑھنے کا ذوق ہو، وہ کتابیں حاصل کرنے اور انہیں اپنے پاس جمع کرنے میں لذت محسوس کرے گا، اور کتابیں خریدنے کے لیے رقم خرچ کرنے میں فرحت وسرور محسوس کرے گا۔ علم کا حقیقی طالب وہی ہوسکتا ہے جو بڑے نشاط اور خوش دلی سے کتابوں پر اپنا مال صرف کرے۔ اس سلسلے میں مشہور عربی دان علامہ جاحظ (ت: ۲۵۵ھ) نے کیا خوب بات کہی ہے:

''فالإنسان لا يعلم حتى يكثر سماعهُ، ولا بدّ من أن تكون كتبه أكثر من سماعه؛ ولا يعلم، ولا يجمع العلم، ولا يختلف إليه، حتى يكون الإنفاق عليه من ماله، ألذّ عنده من الإنفاق من مال عدوّه ومن لم تكن نفقته التي تخرج في الكتب، ألذّ عنده من إنفاق عشّاق القيان، والمستهترين بالبنيان، لم يبلغ في العلم مبلغًا رضيًا.''(۷)

’’یعنی کوئی شخص علم حاصل اور جمع نہیں کرسکتا، اور نہ اس کے پاس کوئی دوسرا علم کے لیے آسکتا ہے، یہاں تک کہ اس پر اپنا مال خرچ کرنا، دشمن کے مال میں سے خرچ کرنے سے بھی زیادہ مزیدار ہو، اور جس آدمی کو کتابوں پر لگایا ہوا خرچ، گلوکارہ باندیوں اور عمارتیں بنانے والے لاپرواہ افراد کے خرچ کرنے سے زیادہ لذیذ نہ ہوتو ایسا شخص علم میں کسی قابلِ قدر مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا۔‘‘

یہی وجہ ہے کہ اسلاف میں سے بعض ایسے گزرے ہیں کہ تمام جمع پونجی کتابیں خریدنے میں لگادیتے تھے، چنانچہ مشہور نحوی علامہ علی بن سیف الابیاری (ت: ۸۱۴ھ) کے بارے میں تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے:

’’وكلما حصل لهٗ شيء اشترى به كتبا.‘‘(۸)

ترجمہ: ’’علامہ ابیاری کو جب بھی کوئی چیز حاصل ہوتی تو وہ اس کے بدلے کتابیں خرید لیتے۔‘‘

کتاب دوستی کی ایک مثال: سفری لائبریری

کتاب بینی ایک ایسا فرحت بخش اور پُرلذت مشغلہ ہے کہ جس شخص کو اس کی عادت ہو جائے، اور مطالعہ کا چسکا لگ جائے، وہ ہر حالت میں اس عمدہ مشغلہ سے لطف اندوز ہوگا، کتابیں پڑھ کر محظوظ ہوگا، یہی وجہ ہے کہ اکابرین اور اہلِ علم و دانش کی ایک جماعت کو اس کتاب بینی کی ایسی عادت تھی، اور علم میں اضافہ کا اتنا شوق تھا کہ وہ سفر و حضر ہر جگہ کتابیں اپنے ساتھ رکھتے۔ گھر میں مطالعہ میں انہماک کے باوجود اگر کبھی سفر درپیش ہوتا تو سفری لائبریری اپنے ساتھ لیے پھرتے، تھوڑا عرصہ بھی کتابوں سے جدائی گوارا نہیں تھی، چنانچہ مشہور و معروف عربی دان اور لغت کے امام علامہ مجد الدین فیروز آبادیؒ (ت: ۸۱۷ھ) کے بارے میں تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ وہ سفر میں بھی اپنے ساتھ کئی سواریوں پر کتابیں لے جاتے تھے، جیسا کہ علامہ سخاویؒ رقم طراز ہیں:

’’وكان لا يسافر إلا وصحبته منها عدة أحمال، ويخرج أكثرها في كل منزلة، فينظر فيها، ثم يعيدها إذا ارتحلوه.‘‘(۹)

ترجمہ: ’’جب بھی وہ سفر کرتے تو ان کے ساتھ کئی گٹھڑیاں کتابوں کی ہوتیں، اور وہ ان میں سے اکثر ہر منزل پر نکال کر مطالعہ کرتے، جب لوگ وہاں سے کوچ کرنے لگتے تو وہ دوبارہ ان میں ڈال دیتے تھے۔‘‘

اسی طرح اپنے ساتھ سفری لائبریری لے کر چلنے والوں میں سے ایک صلاح بن احمد مؤیدی (ت: ۱۰۳۸ھ) ہیں، وہ کئی وقیع کتابوں کے مصنف اور اعلیٰ استعداد والے علمائے کرام میں سے ایک تھے، کتابوں کے ساتھ انہیں خصوصی شغف تھا، چنانچہ علامہ شوکانیؒ ان کی سفری لائبریری کا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’وإذا سافر أول ما تضرب خيمة الكتب، وإذا ضربت دخل إليها ونشر الكتب، والخدم يصلحون الخيم الأخرى ولا يزال ليلۂ جميعه ينظر في العلم.‘‘(۱۰)

ترجمہ: ’’جب وہ سفر کرتے تو سب سے پہلے کتابوں کا خیمہ گاڑھا جاتا، جب خیمہ لگا دیا جاتا تو اس میں داخل ہوتے اور کتابیں پھیلا دیتے، اور خادم دوسرے خیمہ صحیح کرنے لگتے، وہ پوری رات ان کا مطالعہ کرتے رہتے تھے۔‘‘

شہیدِ مکتبہ

اسلاف میں فنا فی العلم بعض حضرات ایسے بھی گزرے ہیں جنہیں کتابوں سے عشق تھا، جن کی زندگی کتابوں کے گلستان میں گزرتی تھی، اوران کے نزدیک کتابیں دنیا کی سب سے بڑی نعمت تھیں۔ ایسی جلیل القدر ہستیوں میں سے ایک مشہور ومعروف عربی دان عمر بن بحر المعروف علامہ جاحظ تھے۔ ان کے بعض عقائد ونظریات وغیرہ سے اختلاف کے باوجود اس بات میں کوئی شک نہیں کہ وہ کتابوں کے سچے عاشق تھے، اور کتابیں حاصل کرنے کا ادنیٰ موقع بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے، جاحظ کی کتابوں سے محبت کے بارے میں ایک عینی گواہ ابوہفان (ت: ۲۵۷ھ) کہتے ہیں:

’’لم أر قط ولا سمعت من أحبّ الكتب والعلوم أكثر من الجاحظ، فإنه لم يقع بيده كتاب قط إلا استوفى قراءته كائنًا ما كان، حتى إنه كان يكتري دكاكين الورّاقين و يبيت فيها للنظر.‘‘(۱۱)

ترجمہ: ’’میں ایسا کوئی شخص نہ کبھی دیکھا اور نہ سنا جس کو جاحظ سے بڑھ کر کتابوں اور علم سے محبت ہو؛ کیونکہ علامہ جاحظ کے ہاتھ میں جب بھی کوئی کتاب آتی تو اس کا پورا مطالعہ کرتے، چاہے جیسی بھی کتاب ہو، یہاں تک کہ وہ کتب فروشوں کی دکانیں کرائے پر لیتے، اور اس میں مطالعہ کے لیے رات کو ٹھہرتے۔‘‘

جاحظ کو کتابوں سے اس قدر الفت ومحبت تھی کہ ہر لکھی ہوئی چیز کا مطالعہ کرتے، یہاں تک کہ لکھے ہوئے کاغذات بھی ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے، اس سلسلے میں ان کا ایک واقعہ مشہور ہے، جسے محمد بن سلیمان جوہری بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم جاحظ کے ساتھ سیر وتفریح کی غرض سے نکلے، ابھی ہم بصرہ کی جامع مسجد کے دروازے تک ہی پہنچے تھے کہ ایک خاتون نے کچھ پھٹے ہوئے اوراق برائے فروخت ہمارے سامنے پیش کیے، چونکہ ان میں ہمیں کوئی فائدہ نظر نہیں آیا، اس لیے ہم انہیں چھوڑ کر آگے چلے، لیکن جاحظ اس عورت کے ساتھ پیچھے رہ گیا، ہم نے کافی انتظار کے بعد دیکھا کہ اس نے اس عورت کو قیمت دی اور وہ اوراق لیے، اور ہمیں انتظار کا کہہ کر اپنے گھر چلا گیا، پھر جب وہ لوٹا تو ہم اس کا مذاق اُڑانے لگے، اس پر اس نے کہا: ’’فزت بقطعة من العلم وافرة‘‘ یعنی میں علم کا ایک کامل

حصہ لے کر کامیاب ہوگیا ہوں، یہ جواب سن کر ہم ہنسنے لگے، تو اس نے کہا:

''أنتم حمقى، والله إن فيها ما لا يوجد إلا فيها، ولكنكم جهال، لا تعرفون النفيس من الخسيس.''(۱۲)

ترجمہ: ''تم بے وقوف ہو، بخدا! ان اوراق میں بعض ایسی چیزیں ہیں جو صرف انہیں میں پائی جاتی ہیں، لیکن تم ناواقف ہو، قیمتی چیز کو خسیس وگھٹیا چیز سے جدا نہیں کرسکتے۔''

نیز جاحظ کی کتابوں سے محبت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کا انتقال بھی کتابوں کے درمیان ہوا، اور جس وقت روح قفسِ عنصری سے پرواز کررہی تھی، اس وقت بھی کتابیں ان کے سینے پر تھیں، اور یوں وہ شہیدِ مکتبہ کہلائے، چنانچہ علامہ ابن العماد حنبلیؒ (ت:۱۰۸۹ھ) تحریر فرماتے ہیں:

''وكان موته بسقوط مجلدات العلم عليه.''(۱۳)

یعنی ''ان کا انتقال کتابوں کے اُن پر گرنے کی وجہ سے ہوا۔''

اور علامہ زرکلیؒ رقم طراز ہیں:

''ومات والكتاب على صدره قتلته مجلدات من الكتب وقعت عليه.''(۱۴)

ترجمہ: ''ان کی وفات اس حال میں ہوئی کہ کتاب ان کے سینے پر تھی، اس پر گرنے والی کتابوں کی جلدوں نے انہیں قتل کرڈالا تھا۔''

ایک کتاب کے لیے میدانِ عرفات میں منادی کرانا

ہمارے اسلاف اور بزرگوں میں سے کتاب دوست بعض ایسے بھی گزرے ہیں جو مطلوبہ ایک کتاب کے حصول کے لیے بھی سرگرداں رہتے تھے، اور حتی المقدور اسے تلاش کرنے کی کوشش کرتے، انہی شخصیتوں میں سے ایک ابوبکر ابن اخشاد ہیں، وہ کہتے ہیں کہ علامہ جاحظ نے اپنے تالیف ''كتاب الحيوان'' کے شروع میں اپنی تمام تالیفات کا ذکر کیا تھا، من جملہ ان میں دو کتابوں ''الفرق بين النبي والمتنبي'' اور ''كتاب دلائل النبوة'' کا نام بھی تھا، کوشش کے بعد ''كتاب دلائل النبوة'' تو مل گئی، لیکن دوسری کتاب نہ مل سکی، پھر خیال ہوا کہ کہیں غلطی سے دوسری کتاب کا نام نہ لکھ دیا گیا ہو، اور حقیقت میں ایک ہی کتاب ہو، بہرحال جب میں مصر سے مکہ مکرمہ حج کرنے آیا تو میں نے میدانِ عرفات میں منادی کرائی؛ کیونکہ اطرافِ عالم سے لوگ وہاں آئے ہوئے تھے، اور اعلان کے الفاظ حسبِ ذیل تھے:

''رحم الله من دلّنا على كتاب الفرق بين النبي والمتنبیء لأبي عثمان الجاحظ على أي وجه كان.''

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو کسی بھی طرح ابوعثمان جاحظ کی کتاب ''الفرق بین النبي والمتنبي'' کی طرف رہنمائی کرے۔''

اعلان کرنے والا میدانِ عرفات کا چکر لگاتا رہا، اور بالآخر ابن اخشاد کے پاس ناکام لوٹا، اور بتایا کہ لوگوں کو اس کتاب کے بارے میں کچھ پتا نہیں۔ (۱۵)

امام محمد بن حسن شیبانیؒ کا کتابوں میں استغراق

امام محمد اپنا اکثر وقت گلستانِ کتب میں گزارتے، اور گھر کو بھی ایک قسم کا کتب خانہ بنادیا تھا، وہ کتابوں کے درمیان گھرے رہتے، اور ہمہ وقت مطالعۂ کتب میں مشغول رہتے، چنانچہ ایک مرتبہ ان کے نواسے نے والدہ محترمہ یعنی امام محمد کی لختِ جگر سے پوچھا کہ امی! بتلایئے کہ نانا جان اپنے گھر میں کیا کرتے تھے؟ اس پر ان کی والدہ نے جواب دیا:

''كان والله يا بني! يكون في هذا البيت وحوله الكتب، ما كنت أسمع له كلمة غير أني كنت أراه يشير بحاجبه وإصبعه.''(۱۶)

ترجمہ: ''اللہ کی قسم! اے میرے بیٹے! وہ اس گھر میں ہوتے تھے، چاروں طرف کتابیں رکھی ہوتی تھیں، میں انہیں باتیں کرتے ہوئے نہیں سنتی تھی، بوقتِ ضرورت بھووں یا ہاتھ سے اشارہ کرتے تھے۔''

گھر فروخت کرکے کتابیں خریدنا

دنیا میں بعض شخصیات کتاب سے محبت کرنے والی ایسی گزری ہیں، جنہوں نے کتابیں پانے کے لیے اپنا گھر بیچ ڈالا۔ بالفاظِ دیگر جسمانی سکون وآرام کے اسباب کے بدلے ذہنی راحت وسرور خریدا، اور کتابوں کے عاشقوں کے سامنے یہ سستا سودا ہے۔ انہی ہستیوں میں سے ایک ابوالعلاء حسن بن احمد ہمدانیؒ (ت:۵۶۹ھ) ہیں۔ چنانچہ طلحہ بن مظفر علی (ت:۵۹۳) کا بیان ہے:

''بيعت كتب ابن الجواليقي في بغداد، فحضرها الحافظ أبو العلاء الهمداني، فنادوا على قطعة منها: ستين دينارا، فاشتراها الحافظ أبو العلاء بستين دينارا، والإنظار من يوم الخميس إلى يوم الخميس فخرج الحافظ، واستقبل طريق همدان، فوصل فنادى على دار له، فبلغت ستين دينارا فقال: بيعوا قالوا: تبلغ أكثر من ذٰلك قال: بيعوا فباعوا الدار بستين دينارا فقبضها، ثم رجع إلى بغداد، فدخلها يوم الخميس، فوفى ثمن الكتب.''(۱۷)

ترجمہ: ''ایک مرتبہ بغداد میں ابنِ جوالیقیؒ کی کتابیں فروخت کی جارہی تھیں، حافظ ابوالعلاء

ہمدانی بھی وہاں پہنچ گئے، فروخت کنندہ نے ان میں سے کچھ کتابوں کی قیمت ساٹھ دینار بتائی، ابوالعلاء ہمدانی نے انہیں ساٹھ دینار میں خریدا، ایک جمعرات سے دوسری جمعرات تک مہلت تھی، حافظ ابوالعلاء نے ہمدان کا راستہ لیا، وہاں پہنچ کر اپنا گھر بیچنے کا اعلان کرایا، جب اس کی قیمت ساٹھ دینار تک پہنچی تو انہوں نے لوگوں سے فرمایا کہ فروخت کردو، لوگوں نے کہا کہ اس سے زیادہ قیمت لگ سکتی ہے، لیکن پھر بھی انہوں نے بیچنے کا کہا، تو انہوں نے ساٹھ ہزار میں گھر فروخت کردیا، ابوالعلاء ہمدانی نے قیمت پر قبضہ کرکے بغداد کی راہ لی، اور جمعرات کو وہاں پہنچے، اور کتابوں کی قیمت ادا کردی۔‘‘

کتابیں بمنزلہ سوکن

کتب بینی کی لذت ایسی ہے کہ انسان دنیا ومافیہا سے بے گانہ ہوجاتا ہے، اور کتابوں کے سوا اس کو کسی چیز کا ہوش نہیں رہتا، یہی وجہ ہے کہ بعض سلف صالحین کی بیویاں کتابوں کو سوکن شمار کرتی تھیں کہ جس طرح سوکن کی وجہ سے مرد کی توجہ بٹ جاتی ہے، اور بیوی کی طرف نظرِ التفات میں کمی آجاتی ہے، اسی طرح کتابوں کی وجہ سے بھی بسا اوقات اہلیہ اور گھر بار کی طرف توجہ کم ہوجاتی ہے، چنانچہ مشہور محدث زبیر بن بکار کی زوجہ محترمہ بھی کتابوں کو اپنے حق میں تین سوکنوں سے زیادہ مضر کہتی تھیں، جیسا کہ زبیر بن بکار خود فرماتے ہیں:

’’قالت ابنة لأختي لأهلنا: خالي خير رجل لأهله لا يتخذ ضرة، ولا يشتري جارية، قال: تقول المرأة: والله لهذه الكتب أشد علي من ثلاث ضرائر.‘‘(۱۸)

ترجمہ: ’’میری بھانجی نے میری اہلیہ سے کہا: میرا ماموں اپنے گھر والوں کے حق میں بہتر ہے کہ دوسری شادی کرکے کوئی سوکن نہیں لاتا، اور باندی بھی نہیں خریدتا، اس پر اہلیہ نے کہا: اللہ کی قسم! یہ کتابیں مجھ پر تین سوکنوں سے زیادہ بھاری ہیں۔‘‘

نیز مشہور ومعروف فقیہ ومحدث امام ابوبکر محمد بن مسلم الزہری کے بارے میں بھی سوانح نگاروں نے یہی بات کی ہے کہ کتابیں دیکھ کر آپ دنیا ومافیہا سے بیگانہ ہوجاتے تھے، اسی وجہ سے ان کی اہلیہ کتابوں کو سوکن کہتی تھیں، جیسا کہ امام زہریؒ (ت: ۱۲۴ھ) کے بارے میں علامہ ابنِ خلکان (ت: ۶۸۱ھ) تحریر فرماتے ہیں:

’’وكان إذا جلس في بيته وضع كتبه حوله، فيشتغل بها عن كل شيء من أمور الدنيا، فقالت له امرأته يومًا: والله لهذه الكتب أشد علي من ثلاث ضرائر.‘‘(۱۹)

ترجمہ: ’’امام زہریؒ جب گھر میں بیٹھتے تو اپنے اردگرد کتابیں رکھتے، اور پھر ان میں مشغول ہوکر تمام دنیاوی معاملات بھول جاتے، اسی وجہ سے ایک دن ان کی اہلیہ نے

ان سے کہا: اللہ کی قسم! یہ کتابیں مجھ پر تین سوکنوں سے زیادہ بھاری ہیں۔''

خلاصۂ کلام یہ کہ ہمارے جلیل القدر اسلاف واکابرین کتب بینی کا مشغلہ رکھنے والے اور کتاب دوست تھے، ان کو فرد و معاشرہ کی اصلاح کے سلسلے میں کتاب کی اہمیت کا اندازہ تھا، وہ سماج وثقافت پر اس کے دیرپا نتائج سے بھی بخوبی واقف تھے، وہ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ کتاب جیسا بے ضرر اور فائدہ مند دوست اور کوئی نہیں، اور کتاب حصولِ علم کا سب سے عمدہ ذریعہ ہے، اسی وجہ سے انہوں نے کتاب دوستی کی ایسی ناقابلِ فراموش داستان رقم کی ہے کہ موجودہ دور میں اس کا عشرِعشیر ملنا بھی مشکل ہے، لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے کتاب دوستی کی روایت کو باقی رکھیں۔

حواشی وحوالہ جات

١- شذرات الذهب في أخبار من ذهب (٣٧٢/ ٤)، الناشر: دار ابن كثير- بيروت

٢- الوافي بالوفيات لصلاح الدين الصفدي، (٢٠٢/ ١٨)، الناشر: دار إحياء التراث- بيروت

٣- سير أعلام النبلاء للذهبي، (٤٢٤/ ١٣)، رقم: ٤٢٢٩، الناشر: دار الحديث- القاهرة

٤- رفع الإصر عن قضاة مصر لابن حجر، (ص: ٣٤٦)، مكتبة الخانجي- القاهرة

٥- تقييد العلم للخطيب البغدادي، (ص:١٢١)، الناشر: إحياء السنة النبوية- بيروت

٦- رسائل ابن حزم، (٧٧/ ٤)، رسالة مراتب العلوم، الناشر: المؤسسة العربية للدراسات والنشر- بيروت

٧- الحيوان للجاحظ، (٤١/ ١)، الإنفاق على الكتب، الناشر: دار الكتب العلمية- بيروت، ط: ١٤٢٤هـ

٨- الضوء اللامع لأهل القرن التاسع للسخاوي، (٢٣١/ ٥)، الناشر: دار الجيل- بيروت

٩- الضوء اللامع لأهل القرن التاسع للسخاوي، (٨١/ ١٠)، الناشر: دار مكتبة الحياة- بيروت

١٠- البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع (٢٩٤/ ١)، رقم: ٢٠٧، الناشر: دار المعرفة- بيروت

١١- معجم الأدباء لياقوت الحموي، (٢١٠١/ ٥)، الناشر: دار الغرب الإسلامي- بيروت

١٢- تقييد العلم للخطيب البغدادي، (ص:١٣٧)، الإكثار من الكتب، الناشر: إحياء السنة النبوية- بيروت

١٣- شذرات الذهب في أخبار من ذهب لابن العماد الحنبلي، (٢٣٢/ ٣)، الناشر: دار ابن كثير- بيروت

١٤- الأعلام للزركلي، (٧٤/ ٥)، ترجمة الجاحظ عمرو بن بحر، الناشر: دار العلم للملايين- بيروت

١٥- معجم الأدباء لياقوت الحموي، (٢١١٥/ ٥)، الناشر: دار الغرب الإسلامي- بيروت

١٦- فضائل أبي حنيفة وأخباره لابن أبي العوام (ص: ٣٥٠)، الناشر: المكتبة الإمدادية- مكة المكرمة

١٧- ذيل طبقات الحنابلة لابن رجب الحنبلي، (٢٧٧/ ٢)، الناشر: مكتبة العبيكان- الرياض

١٨- تاريخ بغداد للخطيب البغدادي، (٤٨٦/ ٩)، ذكر من اسمه الزبير،الناشر: دار الغرب الإسلامي- بيروت

١٩- وفيات الأعيان لابن خلكان، (١٧٨/ ٤)، ترجمة: الزهري، الناشر: دار صادر- بيروت

علمِ اصولِ فقہ کی اہمیت اور چند اہم فوائد!

مفتی عبید الرحمٰن
مردان

اشکال: مقلد کا اصولِ فقہ سے کیا لینا دینا ہے؟

علمِ اصول فقہ کے بارے میں ایک اشکال ایسا ہے جو آج کل ہی نہیں، بلکہ پرانے اور کافی پُرانے زمانے سے دہرایا جاتا ہے، امام ذہبیؒ اور علامہ ابن القیمؒ جیسے فضلاء روزگار نے بھی ایک خاص پس منظر میں یہ اعتراض واشکال اپنی اپنی تحریروں میں پیش کیا ہے۔ وہ اشکال یہ ہے کہ ایک طرف اس علم میں اجتہاد واستنباط کے اصول وقواعد بتائے اور سکھائے جاتے ہیں، دوسری طرف چاروں مذاہب کے فقہائے کرام نئے اجتہاد واستنباط کی نہ صرف حوصلہ شکنی کرتے ہیں، بلکہ اس بات کی بھی صراحت کرتے ہیں کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب اجتہاد کا دروازہ بند ہے اور اس کو بند ہی رکھنا ہے تو پھر اس علم کو پھیلانے، پڑھنے پڑھانے کا کیا فائدہ ہے؟ یہ تو خالص ضیاعِ وقت ہی ہے کہ جو دروازہ بند ہے اور اس نے بند ہی رہنا ہے، اس کی طرف جانے اور کھولنے کی کوشش کی جائے!

اس اعتراض کا اصولی جواب

سرسری طور پر دیکھا جائے تو یہ بات بہت بھلی اور وقیع سی معلوم ہوتی ہے، ایک تو سرسری پن کی وجہ سے اس بات کی کچھ وقعت پیدا ہو جاتی ہے اور ساتھ دوسری بات جس کی وجہ سے اس بات میں کچھ وزن پیدا ہوتا محسوس ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ جن حضرات نے اس سوال کے جواب دینے کی کوشش کی ہے، ان میں سے بیشتر افراد کا جواب یا اس کا اسلوب وانداز ایسا ہے جس سے اصل اشکال کا تصفیہ نہیں ہوتا، بلکہ اس کی مزید اہمیت ووقعت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ بعض اوقات کمزور جواب کی وجہ سے اشکال واعتراض کی مزید قوت واہمیت اُجاگر ہو جاتی ہے۔

بہر حال! ہماری رائے یہ ہے کہ یہ اصل سوال ہی غلط فہمی یا مغالطہ پر مبنی ہے، اس لیے سوال یا اس میں پیش کردہ نکات کو درست تسلیم کر کے جواب دینے کی ضرورت ہی نہیں۔

اعتراض کے دو بنیادی مقدمات

ہمارے اس دعوی کی تفصیل یہ ہے کہ اصل سوال درج ذیل دو مقدمات پر مبنی ہے:

①: علم اصولِ فقہ میں صرف اجتہاد و استنباط کے اصول وقواعد ہی بتائے اور سکھلائے جاتے ہیں۔

②: موجودہ دور میں یا علم اصول فقہ کی تدوین کے دور میں اجتہاد و استنباط کا دروازہ ایسا مسدود ہو چکا ہے کہ جزوی یا کلی طور پر کبھی نہ کھلے گا۔

ان دو باتوں پر سوال کی عمارت کھڑی ہوسکتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں ہی مقدمات غلط ہیں۔

پہلے مقدمہ کی غلطی

پہلے مقدمے کے غلط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اصولِ فقہ کی کتابوں میں اجتہاد و استنباط کے قواعد وضوابط کے علاوہ بھی متعدد اہم امور بتائے اور سمجھائے جاتے ہیں، مثال کے طور پر:

① - دلالاتِ نصوص کی بحث۔ یہ بحث ہماری حنفی اصول فقہ کی کتابوں کا خاصا حصہ گھیر لیتی ہے، چار تقسیمات اور بیس اقسام کے ضمن میں اس کو ذکر کیا جاتا ہے، ساتھ مختلف مبادی وقواعد وغیرہ بھی ذکر کیے جاتے ہیں، لیکن یہ مباحث کتاب وسنت کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں، بلکہ فقہی کتابوں کی عبارات میں بلکہ کلام عرب میں جاری ہوتے ہیں، بلکہ اس سے بڑھ کر سچی بات تو یہ ہے کہ یہ اقسام ومباحث عربی کے ساتھ بھی مخصوص نہیں ہیں، بلکہ ہر کلام میں یہ بحث جاری ہوتی ہے اور اپنا متعلقہ فائدہ دیتی ہے۔

② - استدلال کا طریقہ، اس کے درست مناہج اور سقیم طریقے واسالیب۔ یہ ایک بہت کارآمد اور مفید بحث ہے جو اصولی کتابوں میں منتشر طور پر ذکر ہوتی ہے، لیکن اجتہاد اور اہلِ اجتہاد کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

③ - شرعی احکام وخطابات کے متوجہ ہونے کی اہلیت کا معیار کیا ہے؟ اور اس میں خلل ڈالنے والے امور وعناصر کیا کیا ہیں؟ اور کس حد تک ان امور کی وجہ سے مخاطب کی اہلیت مفقود شمار ہوگی؟ یہ فقہی لحاظ سے اور فتوی کے نقطہ نظر سے ایک مفید بحث ہے، لیکن اس کی تفصیل اصولِ فقہ کی کتابوں ہی میں ذکر ہوتی ہے، فقہائے حنفیہ کو اس بحث میں گویا ''ابتکار'' و ''وابداع'' کی حیثیت حاصل ہے، ہماری کتابوں میں یہ بحث ''امورِ معترضہ علی الاہلیۃ'' یا اس کے ہم معنی عنوان سے ذکر ہوتی ہے۔

④ - نقدِ کلام کے علمی اصول جس کو ''علم مناظرۃ'' سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ علمی اور نظری قسم

کے مسائل ومباحث میں حق بات تک رسائی کے لیے اس فن کی غیر معمولی اہمیت میں شبہ نہیں ہے، یہ بحث بھی اصالۃً اصولِ فقہ کی رہینِ منت ہے، گو بعد میں اس پر مستقل طور پر متعدد کتابیں لکھی گئیں اور ہوتے ہوتے اس کو ایک باقاعدہ فن کی شکل حاصل ہوئی۔ ہمارے فقہائے احناف کی کتابوں میں قیاس کے باب کے آخر میں ''دفع القیاس'' کے عنوان سے یہ پوری بحث ذکر کی جاتی ہے۔

دوسرے مقدمہ کی غلطی

جہاں تک دوسرا مقدمہ ہے یعنی ''موجودہ دور میں یا علمِ اصولِ فقہ کی تدوین کے دور میں اجتہاد واستنباط کا دروازہ کلی طور پر ایسا مسدود ہو چکا ہے کہ جزوی یا کلی طور پر کبھی نہ کھلے گا۔'' تو یہ مقدمہ بھی غلط ہے، حقیقت یہ ہے کہ اجتہاد واستنباط کا دروازہ یکسر مسدود نہیں ہے، بلکہ اس کے مختلف اطراف وجوانب ہیں، ان میں سے کچھ جانب تو ایسے ہیں جن کا دروازہ واقعۃً مسدود ہے، مسدود ہونے کی وجہ خواہ کچھ بھی ہو، لیکن کچھ اطراف ایسے بھی ہیں کہ ان کا دروازہ مکمل طور پر بند نہیں ہے، بلکہ اس کو بند کیا بھی نہیں جاسکتا۔

بات یہ ہے کہ انفرادی طور پر قرآن کریم، سنتِ رسول ﷺ، اجماعِ امت اور شرعی قیاس سے براہِ راست شرعی احکام کے استنباط واجتہاد کا دروازہ تو (عام طور پر) بند ہے، لیکن اس کے علاوہ کچھ باتیں ایسی بھی ہیں جو اجتہاد کے تحت آسکتی/آجاتی ہیں، لیکن ان کا دروازہ بند نہیں ہوا، مثال کے طور پر:

۱: مجتہدین کرام کی مستنبط کردہ علل کی تطبیق۔

۲: نئے پیش آمدہ مسائل کا ان ضوابط کے مطابق تخریج کرنا جو اہلِ اجتہاد متعین کر چکے ہیں۔

علامہ شاطبی رحمہ اللہ وغیرہ کے بقول جس طرح علت کا استنباط وتخریج اجتہاد کہلاتا ہے، یوں ہی اس کی تطبیق اور اس کی بنیاد پر کسی نئے حادثے میں حکم کا اثبات بھی کارِ اجتہاد ہی کا حصہ اور اسی کا ایک پہلو ہے، اور یہ دوسری خدمت ختم نہیں ہوئی، بلکہ قیامت تک برقرار رہے گی۔

علمِ اُصولِ فقہ کے کچھ دیگر فوائد

خیر! یہاں تک کی بات کا حاصل یہ ہوا کہ یہ جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ: ''علمِ اصولِ فقہ کا مقلد کے لیے کوئی فائدہ نہیں ہے۔'' یہ بالکل بے جا اور بے معنی سا اعتراض ہے، جن دو مقدمات پر یہ اعتراض مبنی ہوسکتا ہے، وہ دونوں ہی مقدمات غلط اور خلافِ واقع ہیں، اس لیے اس فن پر یہ اعتراض بھی کھوکھلا ہے، حقیقتِ واقعہ یہی ہے کہ یہ علم مقلد کے لیے مفید اور بہت ہی کارآمد ہے۔

گزشتہ سطور میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے، اس کے علاوہ کچھ فوائد اور بھی ہیں جو اس علم سے حاصل

ہوجاتے ہیں، ان فوائد کو یہاں کسی خاص ترتیب کے بغیر ذکر کیا جاتا ہے۔

❶ - تاریخی نوعیت کا فائدہ

اس سے مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں کو یہ معلوم ہوجائے کہ ان کے مجتہدینِ کرام نے کسی بے ضابطگی سے کام لیا اور نہ ہی وہ کسی بے راہ روی کے شکار ہوئے تھے، انہوں نے شرعی دلائل ہی کی روشنی میں متعلقہ سارے احکام کا استنباط فرمایا ہے، یعنی خلف کو سلف کے کام سے روشناس کرایا ہے۔ بعض لوگ اس کو طنز کے طور پر ذکر کرتے ہیں کہ محض اتنی سی بات کے لیے فن مدون کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

اس کا جواب یہی ہے کہ اس فن کا صرف یہی ایک فائدہ نہیں ہے، بلکہ دیگر غیر معمولی فوائد وثمرات بھی ہیں جن کو اس مقالہ میں اختصار کے ساتھ ذکر کیا جارہا ہے، لہٰذا ایک تو اس کو ''محض اتنی سی بات'' سے تعبیر کرنا کہاں کا انصاف ہے! دوسری بات یہ ہے کہ اس نوعیت کا تاریخی فائدہ بھی کوئی معمولی بات نہیں ہے، ماضی سے قطع نظر دورِ حاضر میں ہم اس نوعیت کے تاریخی فوائد کو کس قدر اہمیت دیتے ہیں، ملکی تاریخی اور آثارِ قدیمہ کی حفاظت کے لیے کس قدر مال، وقت اور صلاحیتیں صرف کی جاتی ہیں! اصل بات یہ ہے کہ دین کی قدر نہیں ہے اور آخرت سنوارنے کا کوئی ایسا خاطر خواہ رجحان نہیں ہے، جس طرح دنیا کے کمانے اور سنوارنے کا ہے۔

❷ - اصولِ ترجیح کا فائدہ

اصولِ فقہ کے ضمن میں اصولِ ترجیح بھی پائے جاتے ہیں، جن سے اختلافی امور میں راجح پہلو کا پائیدار طریقے سے تعین کیا جاسکتا ہے، قیاس واستحسان کے مباحث کی طرف مراجعت کی جائے تو آسانی کے ساتھ یہ فائدہ ہاتھ آسکتا ہے۔

❸ - علمی فتنوں سے دین کے بچاؤ کا حفاظتی حصار

علمِ اصولِ فقہ کا ایک بڑا، اہم اور عظیم الشان فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے سے امت کے افراد اور اجتماعیت دونوں کو علمی فتنوں اور نظریاتی حملوں سے محفوظ رکھا جاسکتا ہے، یہ فائدہ جس قدر اہم ہے، اُسی قدر اس سے غفلت بھی عام ہے، اس لیے اس کی تھوڑی بہت وضاحت کی جاتی ہے۔

اُصولِ فقہ کے سہارے فتنوں سے حفاظت کیسے؟!

سوال یہ ہوتا ہے کہ علمِ اصولِ فقہ سے علمی فتنوں کا مقابلہ کیونکر کیا جائے؟ اصولِ فقہ کا علمی فتنوں یا نظریاتی واردات کے ساتھ کیا تعلق ہے جس سے حفاظت کو خواہ مخواہ اس علم کے فوائد میں سے گنوایا جارہا ہے؟

جواب یہ ہے کہ علمی فتنہ بنتا کہاں سے ہے؟ جب کوئی شخص اصولی تقاضوں کے بَرخلاف قرآن

وسنت سے اخذ واستنباط کرتا ہے تو اس سے علمی فتنہ جنم لیتا ہے، اب اگر عملی طور پر اس علم کو رواج دیا جائے اور اس کی پابندی ضروری قرار دی جائے، لوگوں کو پابند بنایا جائے کہ وہ بہرحال اس علم کے قالب میں رہ کر ہی دین اور علمِ دین کی خدمت انجام دے دیں، تو بہت بڑے فتنوں کا اپنے آپ سدّ باب ہوسکتا ہے اور پوری اُمت مختلف نوعیت کے فتنوں سے اچھی طرح محفوظ رہ سکتی ہے۔ مثال کے طور پر یہ ضوابط لاگو کردیے جائیں اور ان کے مطابق عمل درآمد کو ضروری قرار دیا جائے کہ:

①- سلفِ صالحین کے اتفاق وتعامل کے خلاف کوئی موقف اپنانا ممنوع ہے۔

②- اگر کوئی شخص دین کے کسی مسئلہ میں قرآن وسنت کو پیشِ نظر رکھ کر ایسا موقف اختیار کرنا چاہتا ہے جو نیا ہو اور پہلے کسی مجتہد کے ہاں وہ موجود نہ ہو تو خواہ اس کو کوئی بھی نام دیا جائے، مآل کار یہ اجتہاد ہی ہے، لہٰذا اس اجتہاد کے لیے درکار صلاحیت واستعداد ضروری ہے، اس کے بغیر کسی کو ایسے اقدام کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

③- اجتہاد کا راستہ اختیار کرنے کے لیے علم وعمل کے لحاظ سے وہ معیار ضروری ہے جو اصولی کتابوں میں مذکور ہے، اگر کوئی شخص اس معیار پر پورا اُترتا ہے تو اس کو اجتہاد کرنے کی بھی گنجائش ہے، ورنہ تو تقلید کرنا ضروری ہے اور تقلید بھی ان چار متبوعہ مذاہب میں سے ہی کسی ایک مذہب کی ضروری ہے۔

④- اجتہاد کا اختیار بھی صرف ان مسائل میں ہے جو اُصولی نقطۂ نظر سے ''محلِ اجتہاد'' ہوں، جو مسائلِ منصوص یا اتفاقی نوعیت کے حامل ہیں، وہاں کسی کو اجتہاد کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

⑤- قرآن وحدیث کی تعلیم وتدریس ہو، یا دینی موضوعات پر تالیف وتصنیف، اس کے مختلف درجات مقرر کیے جائیں اور ہر درجہ کے لیے مناسب علمی وعملی استعداد لازم کردیا جائے۔

یہ اور ان جیسے چند اصول کو اگر لاگو کردیا جائے تو ایک تو اس اقدام کی وجہ سے فرقہ واریت کا خاتمہ ہوجائے گا، کیونکہ امت میں افتراق عموماً اسی سے پیدا ہوتا ہے کہ کوئی شخص کسی مسئلہ میں کوئی نیا موقف اختیار کرکے اس کی تبلیغ وتلقین شروع کرتا ہے، حالانکہ وہ نیا موقف اصولی نقطہ نظر سے درست نہیں ہوتا، اس لیے لوگ اختلاف کرنا شروع کرتے ہیں اور رفتہ رفتہ بات جماعت بندی اور پھر جتھہ سازی تک پہنچ جاتی ہے، اسی طرح ان جیسے اصول کو عملی طور پر لاگو کرنے کے بعد اُمت علمی فتنوں سے اچھی طرح محفوظ و مامون رہ سکتی ہے۔

یہ تو ایک مختصر سی فہرست ہے، اگر کوئی جماعت سنجیدگی کے ساتھ اس راستہ پر چلنا چاہے اور اُمت کے سنوارنے کو اپنے ضروری مقاصد میں سے شامل کرلے تو اس موضوع پر مزید بھی غور کیا جاسکتا ہے اور اس میں مزید بہتری بھی پیدا کی جاسکتی ہے۔

..... ۞ ..... ۞ ..... ۞ .....

علاج کے شرعی اُصول

احادیثِ صحاحِ ستہ کی روشنی میں

ڈاکٹر مولانا فہد انوار

اسلام آباد

آنحضرت ﷺ کے ارشادات میں طب سے متعلق ارشاداتِ گرامی بھی موجود ہیں۔ محدثینِ کرام اپنی کتاب میں کتاب الطب یا أبواب الطب کے نام سے عنوان قائم کرکے آنحضرت ﷺ کے وہ ارشاداتِ گرامی ذکر کرتے ہیں جن کا تعلق دوا، علاج اور اس کے ان طریقوں سے ہوتا ہے، جو آنحضرت ﷺ کے مبارک دور میں رائج تھے۔ ان ارشادات کی روشنی میں فقہائے کرام نے دوا اور علاج کے متعلق بحث فرمائی ہے۔ شرّاحِ حدیث ان احادیث کی شرح کرتے ہوئے ایسی بحث بھی فرماتے ہیں جن سے موجودہ زمانے میں دوا اور علاج کی مختلف انواع کا حکم متعین کیا جاسکتا ہے۔ اس مضمون میں احادیثِ کتبِ ستہ کی دوا کے متعلق احادیث کو سامنے رکھ کر ان سے نکلنے والے علاج کے شرعی اصولوں پر روشنی ڈالی جائے گی۔

دوا کے استعمال کی ترغیب

''عَنْ أُسَامَةَ بْنِ شَرِيْكٍ، قَالَ: قَالَتِ الْأَعْرَابُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! اَلَا نَتَدَاوٰی؟ قَالَ: ''نَعَمْ، يَا عِبَادَ اللهِ ! تَدَاوَوْا، فَإِنَّ اللهَ لَمْ يَضَعْ دَاءً إِلَّا وَضَعَ لَهُ شِفَاءً، اَوْ قَالَ: دَوَاءً إِلَّا دَاءً وَاحِدًا'' قَالُوْا: يَا رَسُولَ اللهِ، وَمَا هُوَ؟ قَالَ: ''الهَرَمُ'' (۱)

''اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دیہاتیوں نے آپ ﷺ سے پوچھا: یارسول اللہ! کیا ہم (بیماریوں کا) علاج کیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں: اللہ کے بندو! علاج کرو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بیماری پیدا کی ہے اس کی دوا بھی ضرور پیدا کی ہے، سوائے ایک بیماری کے، لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہ کون سی بیماری ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بڑھاپا۔''

''عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا اَنْزَلَ

اللّٰہُ دَاءً إِلَّا أَنْزَلَ لَہٗ شِفَاءً.‘‘(۲)

’’نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی کوئی بیماری نہیں اُتاری جس کی شفا نہ اُتاری ہو۔‘‘

’’عَنْ جَابِرٍ، عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَنَّہٗ قَالَ: لِکُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ، فَإِذَا أُصِیْبَ دَوَاءُ الدَّاءِ بَرَأَ بِإِذْنِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ.‘‘(۳)

’’جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بیماری کی دوا ہے، پس جب دوا بیماری کے مطابق پہنچ جاتی ہے تو اللہ عزوجل کے حکم سے مریض تندرست ہوجاتا ہے۔‘‘

’’عَنْ أُسَامَۃَ بْنِ شَرِیْکٍ، قَالَ: شَھِدْتُ الْأَعْرَابَ یَسْأَلُوْنَ النَّبِيَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: أَ عَلَیْنَا حَرَجٌ فِيْ کَذَا؟ أَ عَلَیْنَا حَرَجٌ فِيْ کَذَا؟ فَقَالَ لَھُمْ: عِبَادَ اللّٰہِ! وَضَعَ اللّٰہُ الْحَرَجَ، إِلَّا مَنِ اقْتَرَضَ مِنْ عِرْضِ أَخِیْہِ شَیْئًا، فَذَاکَ الَّذِيْ حَرِجَ، فَقَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! ھَلْ عَلَیْنَا جُنَاحٌ أَنْ لَّا نَتَدَاوٰی؟ قَالَ: تَدَاوَوْا عِبَادَ اللّٰہِ! فَإِنَّ اللّٰہَ سُبْحَانَہٗ لَمْ یَضَعْ دَاءً إِلَّا وَضَعَ مَعَہٗ شِفَاءً، إِلَّا الْھَرَمَ، قَالُوْا: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! مَا خَیْرُ مَا أُعْطِيَ الْعَبْدُ؟ قَالَ: خُلُقٌ حَسَنٌ.‘‘(۴)

’’اُسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اعرابیوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے دیکھا کہ کیا فلاں معاملے میں ہم پر گناہ ہے؟ کیا فلاں معاملے میں ہم پر گناہ ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے بندو! ان میں سے کسی میں بھی اللہ تعالیٰ نے گناہ نہیں رکھا، سوائے اس کے کہ کوئی اپنے بھائی کی عزت سے کچھ بھی کھیلے، تو دراصل یہی گناہ ہے، انہوں نے کہا: اللہ کے رسول! اگر ہم دوا علاج نہ کریں تو اس میں بھی گناہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے بندو! دوا علاج کرو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسا مرض نہیں بنایا جس کی شفا اس کے ساتھ نہ بنائی ہو سوائے بڑھاپے کے، انہوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! بندے کو جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہیں، ان میں سے سب سے بہتر چیز کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حسنِ اخلاق۔‘‘

مذکورہ بالا احادیث سے علاج کی ترغیب ملتی ہے اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض امراض کا علاج بھی بتایا ہے۔ اسی بنا پر بعض علماء نے علاج کو سنت یا مستحب قرار دیا ہے۔ تاہم احادیث میں توکل کی بھی تعلیم ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ مؤثرِ حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور تمام اسباب اس کے حکم سے نفع یا نقصان دیتے ہیں۔ پھر اسباب کی تاثیر کے اعتبار سے تین اقسام ہیں: ایک قسم وہ ہے جن کی تاثیر یقینی یا تقریباً یقینی ہے، مثلاً بھوک کے دور کرنے میں روٹی کا اثر اور پیاس دور کرنے میں پانی کا اثر۔ دوسری قسم وہ ہے جس کی تاثیر ظنِ غالب کے درجے میں ہے۔ تیسری قسم وہ ہے جس کی تاثیر کے نفع بخش ہونے میں وہم ہو۔

دوا اور علاج کا معاملہ بھی اس قسم کا ہے کہ ان کی تاثیر یقینی نہیں، بلکہ ظنِ غالب کے درجہ میں ہوتی ہے، جبکہ علاج کی ایک قسم وہ بھی ہے جس میں نفع اور نقصان دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔ مذکورہ تفصیل کو مدِّ نظر

رکھتے ہوئے علاج کا حکم بھی مختلف ہوگا، چنانچہ مرض اگر مہلک ہو اور اس کے لیے ایسی دوا بھی موجود ہو جس سے فائدہ ظنِ غالب کے درجے میں ہو تو اس صورت میں قدرت ہوتے ہوئے علاج کرنا واجب ہوگا، جبکہ اگر مرض عام نوعیت کا ہو تو علاج کرانا سنت و مستحب ہوگا، اور علاج نہ کرنے والا گنہگار نہیں ہوگا۔ (۵)

مضر دوا استعمال کرنے کی ممانعت

’’عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الدَّوَاءِ الْخَبِيْثِ: يَعْنِي السُّمَّ ‘‘(۶)

’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبیث دوا (یعنی زہر) استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے۔‘‘

انسانی جان اللہ تعالیٰ کی امانت ہے جو اس نے اپنے بندے کے سپرد کی ہے۔ اس نعمت کی قدر دانی اس کا شکر یہ ہے۔ کسی انسان کو اپنے کسی عضو یا زندگی کو ضائع یا ختم کرنے کی اجازت نہیں۔ ایسا علاج اور ایسی دوا جس سے عضو ضائع ہو جائے شرعاً جائز نہیں۔

یوتھینیزیا Mercy Killing کا شرعی حکم

مریض انتہائی تکلیف میں ہو تو اس کی فرمائش پر یا از خود ایسا طریقہ استعمال کرنا جس سے مریض کی جان ختم ہو جائے، اگر کوئی شخص اپنے طور پر ایسی دوا استعمال کرے جو قاطعِ حیات ہو یا اپنے آپ کو کسی مہلک آلے سے زخمی کر کے مر جائے تو یہ خودکشی ہوگی اور کتاب وسنت کی تصریحات کے خلاف ہے۔ اگر طبیب مریض کی فرمائش پر یا از خود ایسی دوا جسم میں داخل کرے جو قاطعِ حیات ہو یا کسی مہلک ذریعے سے مار دے یا ایسا علاج جس سے مریض کی شفا کا گمانِ غالب ہو، اسے ارادۃً روک دے تو یہ اس کی طرف سے قتل یا اقدامِ قتل ہوگا، اسی لیے یوتھینیزیا ناجائز اور حرام ہے۔

حضرت طفیل بن عمر دوسی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک اور صاحب نے مدینہ ہجرت کی، وہ دوسرے صاحب بیمار پڑ گئے، تکلیف کی شدت کے باعث ان سے صبر نہ ہو سکا اور ایک ہتھیار سے اپنی اُنگلیوں کے جوڑ کاٹ لیے، رگیں کٹ گئیں اور خون اتنا بہہ گیا کہ انتقال ہو گیا۔ حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے انہیں خواب میں دیکھا کہ وہ بہتر حالت میں ہیں، لیکن ان کے ہاتھ ڈھکے ہوئے ہیں، حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ آپ کے رب نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ ان صاحب نے کہا: اللہ نے ہجرت کی وجہ سے مجھے معاف کر دیا، لیکن میرے ہاتھوں کے بارے میں فرمایا گیا کہ جس چیز کو تم نے خود بگاڑ لیا ہے، میں اسے درست نہیں کروں گا، حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے یہ خواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی کہ اے اللہ! ان کے ہاتھوں کو بھی معاف فرما دے۔ (۷)

حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم سے پہلے کی قوموں میں ایک شخص کو زخم تھا، وہ تکلیف برداشت نہ کر سکا، چھری لی اور اس سے اپنا ہاتھ کاٹ ڈالا، خون تھم نہ سکا اور موت واقع

ہوگئی، اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا کہ: میرے بندہ نے اپنی ذات کے معاملہ میں مجھ پر سبقت کرنے کی کوشش کی، اس لیے میں نے اس پر جنت حرام کردی۔ (۸)

رسول اللہ ﷺ رحمت مجسم تھے، لیکن اس کے باوجود حضرت جابر بن سمرہؓ راوی ہیں کہ: ’’ایک شخص نے خودکشی کر لی، تو آپ ﷺ نے اس پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھی۔‘‘ (۹) اسی لیے علماء فرماتے ہیں کہ خودکشی کرنے والے شخص پر عام لوگ تو نمازِ جنازہ پڑھیں گے؛ لیکن امام المسلمین اور مقتدا لوگوں کو خودکشی کرنے والے کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھنی چاہیے۔ (۱۰)

خمر (شراب) کو بطور دوا استعمال کرنے کی ممانعت

’’عَلْقَمَة بْنَ وَائِلٍ، عَنْ اَبِيْهِ، اَنَّهٗ شَهِدَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَأَلَهٗ سُوَيْدُ بْنُ طَارِقٍ، اَوْ طَارِقُ بْنُ سُوَيْدٍ عَنِ الْخَمْرِ فَنَهَاهُ عَنْهُ فَقَالَ: إِنَّا نَتَدَاوَى بِهَا، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ’’إِنَّهَا لَيْسَتْ بِدَوَاءٍ وَلٰكِنَّهَا دَاءٌ‘‘۔‘‘ (۱۱)

’’علقمہ بن وائل اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، جب سوید بن طارق یا طارق بن سوید نے آپ ﷺ سے شراب کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے انہیں شراب سے منع فرمایا، سوید نے کہا: ہم لوگ تو اس سے علاج کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’وہ دوا نہیں، بلکہ وہ تو خود بیماری ہے۔‘‘

آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ طیبہ اس بارے میں واضح ہیں کہ خمر حرام ہے اور اس کا پینا اور کسی قسم کا استعمال جائز نہیں، البتہ بطور دوا اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلے کا تعلق تداوی بالمحرم سے ہے، یعنی حرام چیز سے علاج جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ خمر ایک ایسا مشروب ہے جو نشہ آور ہو اور جس کے پینے سے انسان کی عقل متاثر ہوجائے۔ اسی کو اردو میں شراب اور انگریزی میں الکحل کہتے ہیں۔ کتاب وسنت میں خمر کی سختی سے ممانعت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

’’يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ.‘‘ (۱۲)

’’اے ایمان والو! شراب، جوا، بتوں کے تھان اور جوئے کے تیر یہ سب ناپاک شیطانی کام ہیں، لہٰذا ان سے بچو، تاکہ تمہیں فلاح حاصل ہو۔‘‘

نبی اکرم ﷺ نے بھی خمر سے سختی سے منع فرمایا ہے، ارشاد فرمایا:

’’عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ.‘‘ (۱۳)

’’ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔‘‘

’’إِنَّ اللّٰہَ لَمْ یَجْعَلْ شِفَاءَکُمْ فِیْمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمْ.‘‘(۱۴)

’’اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو تم پر حرام کیا اس میں تمہاری شفا نہیں رکھی۔‘‘

آج کل بہت سی دواؤں اور خوشبوؤں میں الکحل کا استعمال ہوتا ہے۔ یہ ایک کیمیائی مادہ ہے جو مختلف پھلوں اور اَناج کے نشاستہ (carbohydrate) یا شکر سے بنایا جاتا ہے۔ اس کی بہت ساری قسمیں ہیں جن میں مخصوص قسم نشہ آور ہے۔ چونکہ الکحل کا استعمال نشہ آور مشروب کے طور پر بھی ہوتا ہے، جسے عام اصطلاح میں شراب ہی کہا جاتا ہے اور اس کے نتائج بھی وہی ہوتے ہیں جو خمر کے ہوتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ الکحل کی وہ اقسام بھی ہیں جو دواؤں اور عطریات میں استعمال ہوتی ہیں، لہٰذا اس کا حکم سمجھنے کے لیے نشہ آور مشروبات کا حکم جاننا ضروری ہے۔ اس حوالے سے الدر المختار میں علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:

’’شراب لغت میں ہر مائع مشروب کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں جو مسکر (نشہ آور) ہو، ان مشروبات میں سے چار حرام ہیں:

۱-الخمر: (شراب) انگور کا کچا رس جب جوش مارے، سخت ہوجائے اور جھاگ مارے۔ اس کا قلیل و کثیر بالاجماع حرام ہے۔

۲- الطلاء: اس شراب کو کہتے ہیں کہ انگور کے رس کو اتنا پکایا جائے کہ اس میں سے دو تہائی (۲/۳) اُڑ جائے اور ایک تہائی (۱/۳) باقی رہ جائے، اور اس میں نشہ پیدا ہوجائے۔

۳-السکر: تازہ کھجور کا کچا پانی جب اس میں شدت آجائے اور جھاگ چھوڑ دے۔

۴-نقیع الزبیب: کشمش کا کچا پانی جب اس میں کشمش کو رکھا جائے، یہاں تک کہ جوش مارنے کے بعد جھاگ چھوڑنے لگے۔(۱۵)

یہ آخری تین اس وقت حرام ہیں جب ان میں جوش و شدت پیدا ہوجائے۔ ان آخری تین کو پی کر نشے میں آنے والے پر سزا جاری کی جائے گی، جبکہ خمر کو تھوڑی مقدار میں پینے والا اگر نشہ میں نہ آئے، تب بھی اس پر حد جاری کی جائے گی۔ ان چار کے علاوہ سے بننے والی الکحل کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ ان کی اس قدر قلیل مقدار جو نشہ آور نہ ہو، حرام نہیں اور نہ ہی نجس ہے۔ آج کل دواؤں اور خوشبوؤں میں عموماً جو الکحل استعمال کی جاتی ہے، وہ انگور اور کھجور کے علاوہ سے بنائی جاتی ہے، لہٰذا حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول پر اہلِ علم حضرات ان کے استعمال کی گنجائش دیتے ہیں۔(۱۶)

حرام چیز کو بطور دوا استعمال کرنا

اللہ تعالیٰ نے اپنی بنائی ہوئی اشیاء میں ایسی بھی بنائی ہیں جن کو کھانا یا استعمال کرنا جائز رکھا اور

ایسی بھی بنائیں جن کا کھانا اور استعمال کرنا ناجائز رکھا۔ حرام اشیاء سے بچنا اور حلال کو اختیار کرنا انسان کی سعادت ہے۔ تاہم انتہائی ضرورت میں حرام شے کو بطور دوا اور علاج استعمال کرنا ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مسئلے میں احادیث مختلف ہیں اور اسی اختلاف نے رحمت بن کر اُمت کے بیماروں اور ضعفاء کے لیے آسانیاں پیدا کردی ہیں۔ ہم پہلے ان روایات کو پیش کرتے ہیں جن سے تداوی بالمحرم (یعنی حرام سے علاج کی ممانعت) معلوم ہوتی ہے:

’’عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللهَ اَنْزَلَ الدَّاءَ وَالدَّوَاءَ، وَجَعَلَ لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءً فَتَدَاوَوْا وَلَا تَدَاوَوْا بِحَرَامٍ.‘‘(۱۷)

’’ابودرداؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: یقیناً اللہ تعالیٰ نے بیماری اور دوا اُتاری ہیں اور ہر بیماری کے لیے دوا بھی بنائی ہے، لہٰذا علاج کرو اور حرام سے علاج مت کرو۔‘‘

امام طحاویؒ حضرت ابنِ مسعودؓ کا ارشاد نقل کرتے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حرام چیز میں شفانہیں ہے، سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد ہے:

’’إِنَّ اللهَ لَمْ يَجْعَلْ شِفَاءَكُمْ فِيْمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ.‘‘(۱۸)

’’اللہ تعالیٰ نے جس چیز کوتم پر حرام کیا اس میں تمہاری شفانہیں رکھی۔‘‘

دوسری طرف ایسی روایات بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے کچھ مخصوص حالات میں ایسی چیز کو بطور دوا تجویز فرمایا، جس کا استعمال عام حالات میں جائز نہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

’’عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: اَنَّ نَاسًا اجْتَوَوْا فِي الْمَدِيْنَةِ، فَاَمَرَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّلْحَقُوْا بِرَاعِيْهِ - يَعْنِي الْإِبِلَ - فَيَشْرَبُوْا مِنْ اَلْبَانِهَا وَاَبْوَالِهَا، فَلَحِقُوا بِرَاعِيْهِ، فَشَرِبُوْا مِنْ اَلْبَانِهَا وَاَبْوَالِهَا، حَتّٰى صَلَحَتْ اَبْدَانُهُمْ، فَقَتَلُوا الرَّاعِيَ وَسَاقُوا الْإِبِلَ، فَبَلَغَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَبَعَثَ فِيْ طَلَبِهِمْ فَجِيْءَ بِهِمْ، فَقَطَعَ اَيْدِيَهُمْ وَاَرْجُلَهُمْ، وَسَمَرَ اَعْيُنَهُمْ قَالَ قَتَادَةُ: فَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سِيْرِينَ: اَنَّ ذٰلِكَ كَانَ قَبْلَ اَنْ تَنْزِلَ الْحُدُوْدُ.‘‘(۱۹)

’’حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ (عرینہ کے) کچھ لوگوں کو مدینہ منورہ کی آب وہوا موافق نہیں آئی تھی تو نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ وہ آپ (نبی کریم ﷺ) کے چرواہے کے ہاں چلے جائیں، یعنی اونٹوں میں، اور ان کا دودھ اور پیشاب پئیں، چنانچہ وہ لوگ نبی کریم ﷺ کے چرواہے کے پاس چلے گئے اور اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیا، جب وہ تندرست ہوگئے تو انہوں نے چرواہے کو قتل کردیا اور اونٹوں کو ہانک کر لے گئے۔ آپ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ نے انہیں تلاش کرنے کے لیے لوگوں کو بھیجا، جب انہیں لایا گیا تو نبی کریم ﷺ کے حکم

سے ان کے بھی ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے گئے اور ان کی آنکھوں میں سلائی پھیر دی گئی (جیسا کہ انہوں نے چرواہے کے ساتھ کیا تھا)۔ قتادہ نے بیان کیا کہ مجھ سے محمد بن سیرین نے بیان کیا کہ یہ حدود کے نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔''

اس حدیث کی روشنی میں فقہائے کرام نے اس پر بحث فرمائی ہے کہ شریعت کی حرام کردہ اشیاء کو بطور دوا استعمال کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ بظاہر اس حدیث سے جواز معلوم ہو رہا ہے، جب کہ پیشاب کی حرمت دیگر روایات کی روشنی میں واضح ہے۔ نیز پیشاب سے جس تاکید کے ساتھ بچنے کا حکم ہے، اس کا تقاضا ہے کہ پیشاب پینے کی ممانعت ہو۔ اس روایت کے پس منظر میں فقہائے کرام نے اس پر بحث فرمائی ہے کہ مریض کے لیے علاج کی حد تک جائز متبادل موجود نہ ہونے کی صورت میں حرام چیز کو بطور دوا استعمال کرنا کیسا ہے؟ اس کی تفصیل درج ذیل ہے: حنابلہ کے نزدیک حرام سے علاج کسی صورت میں جائز نہیں۔ مالکیہ کے نزدیک بھی اس کا استعمال جائز نہیں۔ شوافع کے نزدیک ایسی حرام اشیاء کا استعمال دوا کے لیے جائز ہے جس میں نشہ نہ ہو۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حرام سے علاج کسی صورت میں جائز نہیں۔ امام محمدؒ کے نزدیک علاج کے لیے حلال جانوروں کا پیشاب استعمال کرنے کی اجازت ہوگی، کیونکہ وہ پاک ہے۔ امام ابویوسفؒ کے نزدیک شدید ضرورت کے وقت علاج کی حد تک حرام اشیاء کو استعمال کیا جا سکتا ہے، جب کہ اس محرَّم کے علاوہ میں علاج نہ ہو اور مسلمان طبیب حاذق اس کا علاج ہونا بتائے۔ اسی پر متاخرین احناف کا فتویٰ ہے۔ (۲۰)

''يجوز للعليل شرب البول والدم وأكل الميتة للتداوي إذا أخبرهُ طبيب مسلم أن شفاءهُ فيه ولم يجد من المباح ما يقوم مقامه.''(۲۱)

''بیمار کے لیے پیشاب اور خون اور مردار کا کھانا دوا کے طور پر جائز ہے جب مسلمان طبیب اسے اس بات کی خبر دے کہ اس میں شفا ہے اور اس کے قائم مقام دوسری جائز چیز بھی نہ ہو۔''

''اختلف في التداوي بالمحرم وظاهر المذهب المنع كما في رضاع البحر، لكن نقل المصنف ثمة وهنا عن الحاوي: وقيل يرخص إذا علم فيه الشفاء ولم يعلم دواء آخر كما رخص الخمر للعطشان وعليه الفتوى.''(۲۲)

''حرام کو دوا کے طور پر استعمال کرنے کے مسئلے میں اہلِ علم میں اختلاف ہے، اور کہا گیا ہے کہ جب اس حرام میں شفا معلوم ہو اور کوئی دوسری دوا معلوم نہ ہو، جیسا کہ پیاسے کے لیے (پانی نہ ہونے کی صورت میں بقدرِ ضرورت) شراب کی رخصت دی گئی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔''

علاج کی غرض سے جسم کو جلانا

''عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: " الشِّفَاءُ فِيْ ثَلَاثَةٍ: شَرْبَةِ عَسَلٍ، وَشَرْطَةِ مِحْجَمٍ، وَكَيَّةِ نَارٍ، وَأَنْهٰى أُمَّتِيْ عَنِ الكَيِّ.''(۲۳)

آنحضرت ﷺ سے جسم کو داغنے کے متعلق دو طرح کی روایات نقل کی گئی ہیں: ایک طرح کی احادیث وہ ہیں جن میں ممانعت وارد ہے (جن میں سے ایک مندرجہ بالا بھی ہے)۔ دوسری طرح کی روایات وہ ہیں جن سے اس طریقۂ علاج کا جواز معلوم ہوتا ہے، مثلاً:

’’عَنْ جَابِرٍ قَالَ: رُمِيَ اُبَيٌّ يَوْمَ الْاَحْزَابِ عَلٰى اَكْحَلِهٖ فَكَوَاهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ‘‘ (۲۴)

’’حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنگِ خندق کے دن حضرت اُبی رضی اللہ عنہ کی ہاتھ کی رگِ اکحل پر تیر لگا، جس سے خون جاری ہوگیا تو نبی اکرم ﷺ نے اسے داغا۔‘‘

مشکوٰۃ شریف میں دونوں طرح کی روایات ساتھ ساتھ موجود ہیں۔ اسی بنا پر شراحِ حدیث نے ممانعت کو نہی تنزیہی پر محمول کیا ہے اور ضرورت کے وقت بطور دوا وعلاج اسے جائز قرار دیا ہے۔

دونوں طرح کی روایات کو سامنے رکھ کر علماء نے اس طرح تطبیق پیدا کی ہے کہ ضرورت کے وقت مرض کے علاج کے لیے آگ سے جسم کے کسی حصے کو داغنا یا جلانا جائز ہے، مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ:

اس مرض کے لیے کوئی متبادل جائز علاج موجود نہ ہو اور طبی تجربے سے اس کا نافع ہونا بھی معلوم ہو۔ البتہ عام حالات میں جائز متبادل کے موجود ہوتے ہوئے اس طریقے کو اختیار کرنا مکروہ ہے۔ ممانعت کا تعلق ہلاکتِ جان کے خطرے سے ہے، یعنی اگر ایسی صورت ہو کہ داغنے کی وجہ سے فائدے کے بجائے نقصان اور جان کے ہلاک ہونے کا خوف ہو تو داغنے سے گریز کرنا چاہیے، لیکن اگر یہ خطرہ نہ ہو تو کیا جاسکتا ہے۔

یہاں شارحین نے ایک یہ بات بھی لکھی ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں عرب علاج کے اس طریقے کو جسے اس حدیث میں ’’كَيّ‘‘ کہا گیا ہے، اس قدر مؤثر سمجھتے تھے کہ مشہور ہوگیا تھا کہ: ’’آخر العلاج الكيّ‘‘ یعنی آخری علاج تو داغنا ہی ہے، اس لیے بھی آنحضرت ﷺ نے اسے پسند نہیں فرمایا، کیونکہ اس میں ایک طرح مشرکین کے اس عقیدے کے ساتھ مشابہت پائی جارہی ہے۔ اس کے برعکس اسلامی عقیدہ یہ ہے کہ مؤثرِ حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ قرآن وحدیث میں جابجا توکل کی تعلیم ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ کسی علاج اور کسی دوا کو اپنی ذات میں نافع یا ضار نہ سمجھا جائے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی منشا کا پابند سمجھا جائے۔ ’’كشف الباري‘‘ میں ہے:

’’ممانعت کا تعلق زمانۂ جاہلیت کے فاسد عقیدے سے ہے، عربوں میں داغنے کے عمل کو علاج کا سببِ مؤثر سمجھتے تھے، اِس لیے آپ ﷺ نے اِس شرکِ خفی سے بچنے کے لیے اِس کو ممنوع قرار دیا، پس اگر کسی کا یہ عقیدہ نہ ہو، بلکہ ظاہری سبب کے طور پر وہ اختیار کرے تو کوئی حرج نہیں، وہ جائز ہے۔‘‘ (۲۵)

دارالافتاء بنوری ٹاؤن سے علاج کی خاطر ہاتھ اور پاؤں کو داغنے کے بارے میں پوچھا گیا تو جو جواب صادر کیا گیا، اس کا خلاصہ یہ ہے:

’’حاصل یہ کہ کسی عضو کو داغنا یا جلانا مکروہ ہے، ہاں! اگر کوئی واقعی ضرورت پیش آجائے اور طبیبِ حاذق یہ کہے کہ اس مرض کا آخری علاج داغنا ہی ہے تو پھر داغنا جائز ہوگا۔ فقط واللہ اعلم‘‘(۲۶)

دوا کی مناسب مقدار کی رعایت

’’عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ: اَنَّ رَجُلًا اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: اَخِيْ يَشْتَكِيْ بَطْنَهُ، فَقَالَ: اسْقِهِ عَسَلًا ثُمَّ اَتَى الثَّانِيَةَ، فَقَالَ: اسْقِهِ عَسَلًا، ثُمَّ اَتَاهُ الثَّالِثَةَ فَقَالَ: اسْقِهِ عَسَلًا، ثُمَّ اَتَاهُ فَقَالَ: قَدْ فَعَلْتُ؟ فَقَالَ: صَدَقَ اللّٰهُ، وَكَذَبَ بَطْنُ اَخِيْكَ، اسْقِهِ عَسَلًا، فَسَقَاهُ فَبَرَأَ .‘‘(۲۷)

ترجمہ: ’’حضرتِ ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک آدمی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور کہا: میرا بھائی پیٹ کے مرض میں مبتلا ہو گیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو شہد پلاؤ، وہ دوسری بار آیا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو شہد پلانے کی تاکید کی، اسی طرح تیسری مرتبہ بھی، جب چوتھی بار بھی آکر اس نے شکایت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہارے بھائی کا پیٹ تو جھوٹا ہوسکتا ہے، لیکن اللہ کا کلام تو سچا ہی ہے۔ اس کو پھر شہد پلاؤ، اس نے اس مرتبہ جاکر جب شہد پلایا تو اس کو شفاء نصیب ہوگئی۔‘‘

اس حدیثِ پاک سے طب کے ایک اہم اصول کی طرف رہنمائی ملتی ہے۔ وہ یہ کہ کسی بھی بیماری میں دوا کے مؤثر ہونے کے لیے اس کا مناسب مقدار میں لیا جانا ضروری ہے۔ ممکن ہے ایک دوائی بہت مؤثر ہو، لیکن مناسب اور مطلوبہ مقدار نہ ہونے کی وجہ سے اس کا اثر نہ ہو۔ اسی وجہ سے جہاں یہ جاننا ضروری ہے کہ کس بیماری میں کون سی دوا مؤثر ہے، وہیں یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ دوا کی مطلوبہ مقدار کیا ہونی چاہیے!

دوا کے مضر اثرات (Side-effects) سے آگاہی

موجودہ دور میں دوائیوں کی ایک کثیر تعداد ہے۔ ان میں کچھ عمومی نوعیت کی اور بعض دوائیاں خصوصی نوعیت کی ہیں۔ ان میں بعض دواؤں کے فوائد کے ساتھ کچھ خفیف سے مضر اثرات بھی ہوتے ہیں۔ دوا تجویز کرنے والے معالج کے لیے اس کے مضر اثرات سے واقفیت بھی ضروری ہے۔ علاج اور دوا سے جہالت یا کم علمی کی صورت میں علاج کرنا جائز نہیں اور اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے:

’’مَنْ تَطَبَّبَ وَلَمْ يُعْلَمْ مِنْهُ طِبٌّ قَبْلَ ذٰلِكَ فَهُوَ ضَامِنٌ .‘‘(۲۸)

ترجمہ: ’’جو شخص اپنے آپ کو طبیب ظاہر کرکے علاج کرے، حالاں کہ اس سے پہلے اس کا طبیب ہونا معلوم نہ ہو (یعنی وہ فنِ طب کی مہارت میں مشہور نہ ہو اور علاج کرے، پھر اس کے علاج سے مریض کا کوئی عضو تلف ہوجائے، یا اس کا انتقال ہوجائے) تو وہ (مریض کا) ضامن ہوگا۔‘‘

اس حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ علاج کرنے والے شخص کے پاس متعلقہ طبی معلومات ہونا ضروری ہیں۔ طبیبِ جاہل کے علاج کے نتیجے میں مریض کو لاحق ہونے والے ضرر کی ذمہ داری اسی طبیب پر عائد ہوگی، لہٰذا علاج کرنے والے شخص کا صحیح معلومات رکھنا اور ماہر ہونا ضروری ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں ہے تو اسے علاج کرنے سے رُک جانا ضروری ہے، چونکہ دوا کے مضر اثرات (side effects) اور مخالف علامات (contraindications) نہ جاننے کی صورت میں بھی مریض کے نقصان ہونے کا قوی اندیشہ ہے، لہٰذا ان دونوں باتوں سے واقفیت بھی ضروری ہے۔

حواشی وحوالہ جات

١-سنن الترمذي، أبواب الطب، باب ما جاء في الدواء عليه والحث:٢٠٣٨

٢- صحيح بخاري، كتاب الطب، بَابُ مَا اَنْزَلَ اللهُ دَاءً إِلَّا اَنْزَلَ لَهُ شِفَاءً:٥٦٧٨

٣- صحيح مسلم، باب لكل داء دواء واستحباب التداوي، رقم: ٢٢٠٤

٤- ابن ماجة، كتاب الطب، باب ما أنزل الله داء إلا أنزل لهٗ شفاء: ٣٤٣٦

٥-كشف الباري، كتاب الطب، ص:٥٣٥، ج:٤.

٦-ترمذي، أبواب الطب، بَابُ مَا جَاءَ فِيْمَنْ قَتَلَ نَفْسَهٗ بِسُمٍّ اَوْ غَيْرِهٖ.

٧- صحيح مسلم، رقم: ١١٦

٨- صحيح البخاري، رقم: ٣٤٦٣

٩- صحيح مسلم، رقم: ٩٧٨

١٠- سنن الترمذي، رقم: ١٠٦٨

١١- ترمذي، أبواب الطب، بَابُ مَا جَاءَ فِيْ كَرَاهِيَةِ التَّدَاوِيْ بِالْمُسْكِرِ:٢٠٤٦

١٢- المائدة:٩٠

١٣- شرح معاني الآثار، باب ما يحرم من النبيذ: ٦٤٣٥

١٤- أيضا، باب حكم بول ما يؤكل لحمه: ٦٥٢

١٥- الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الأشربة

١٦-تكملة فتح الملهم، حكم الكحول المسكرة

١٧- سنن أبي داود، كتاب الطب، باب في الأدوية المكروهة: ٣٨٧٤

١٨- شرح معاني الآثار، باب حكم بول ما يؤكل لحمه: ٦٥٢

١٩- بخاري، باب الدواء بأبوال الإبل: ٥٦٨٦

٢٠-فقہی مقالات، مفتی محمد تقی عثمانی، ج:۴، ص:۱۳۸ تا ۱۴۴

٢١- الهندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات: ٥/٤١٠

٢٢- الدر المختار وحاشية ابن عابدين (رد المحتار): ١/ ٢١٠

٢٣- صحيح بخاري، كتاب الطب، باب الشفاء في الثلاث:٥٦٨٠

٢٤- مشكوة المصابيح، كتاب الطب، رقم: ٤٥١٧

٢٥- كشف الباري، كتاب الطب :٥٤١

٢٦-دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن، فتویٰ نمبر: ۱۴۴۵۰۱۱۰۰۲۰۳

٢٧- صحيح البخاري، كتاب الطب، باب الدواء بالعسل، رقم: ٥٦٨٤

٢٨- سنن ابن ماجة، كتاب الطب، باب من تطبب ولم يعلم منه طب: ٣٤٦٦

اَسلاف واکابر کی تواضع کے واقعات

مفتی محمد طارق محمود
لاہور

ہمارے اکابر علمی اور عملی کمالات کے جامع تھے۔ان حضرات کے کمالات میں ایک نمایاں وصف تواضع تھا۔تواضع کا مقابل تکبر ہے،تکبر ایسا گناہ ہے کہ اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں، تمام گناہوں کی جڑ یہی ہے۔ ابلیس کی علت یہی اَنانیت تھی۔تکبر کہتے ہیں کسی دینی یا دنیاوی کمال میں اپنے آپ کو اپنے اختیار سے دوسرے سے اس طرح بڑا سمجھنا کہ دوسرے کی حقارت دل میں آئے، یا غصے کی حالت میں حق کی نصیحت کی جائے تو اُسے رڈ کرے۔اگر اپنے کسی کمال کا خیال آئے تو یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ میرا ذاتی کمال نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، وہ جب چاہیں اسے چھین لیں، اور ہوسکتا ہے کہ دوسرے میں کوئی ایسا کمال ہو جس کی وجہ سے اس کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مجھ سے زیادہ ہو۔ (تربیت السالک، جزوسوم، باب سوم، ص:۱۰۸، ۱۰۱، ملخصاً، خطبات حکیم الامت:۲۵/ ۸۴)

تواضع کے یہ معنی نہیں کہ خدا تعالیٰ نے جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان کی اپنے سے نفی کرے، بلکہ معنی یہ ہیں کہ ان کو اپنے کمال سے نہ سمجھے، بلکہ محض فضل ورحمت سمجھے۔ (خطبات حکیم الامت:۲۵/ ۲۴۱)

اس مضمون میں اپنے مشائخِ دیوبند کی تواضع کے متفرق واقعات نقل کیے جارہے ہیں:

❶-سید الطائفہ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی (۱۲۳۳- ۱۳۱۷ھ) قدس سرہٗ

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بعض اوقات تمام تمام رات اس ایک شعر کو پڑھ پڑھ کر روتے روتے گزاردیتے تھے:

اے خدا! ایں بندہ را رسوا مکن   گر بدم ہم سرِ من پیدا مکن

’’اے خدا اس بندہ کو رسوا نہ کرنا، اگر برا ہوں تو بھی میرا راز ظاہر نہ کرنا۔‘‘ (ارواحِ ثلاثہ، ص:۱۶۹)

ایک خط میں (اپنے مرید) حضرت گنگوہیؒ کو تحریر فرماتے ہیں:

’’اس میں کچھ شبہ نہیں کہ تم عزیزوں کے کمالات کی وجہ سے فقیر (حضرت حاجی امداداللہ) کے

نقصان وعیوب چھپ گئے ہیں۔ وہ تمہاری محبت نے اکسیر کا کام کیا ہے۔ ان شاء اللہ! قیامت میں بھی ایسی ہی پردہ پوشی کی اُمید ہے، وہ تمہاری محبت کا بڑا وسیلہ ہے۔'' (مکاتیبِ رشیدیہ، ص:۴)

کچھ حد ہے اس تواضع کی! ایک دفعہ حضرت کے خدام کا قافلہ جدہ سے مکہ خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے باوجود بڑھاپے اور کمزوری کے بابِ مکہ پر آکر اُن کا استقبال کیا۔ ہر ایک سے بغل گیر ہوئے اور ہنس ہنس کر حال دریافت فرمایا، چاہے اجنبی ہو یا واقف۔ اپنے مکان پر لاکر سب کو ٹھہرایا اور صبح کھانے کی دعوت سب کی حضرت کے دسترخوان پر ہوئی۔ شفقت وتواضع وتحمل جس درجہ اس واقعہ سے ظاہر ہے محتاجِ بیاں نہیں۔ (امداد المشتاق، ص:۱۹۶-۱۹۸، ملخصاً)

حضرت حاجی صاحب کے پاس ایک شخص آئے اور عرض کیا کہ ایسا وظیفہ بتلا دیجیے گا کہ خواب میں حضور ﷺ کی زیارت نصیب ہو جائے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ: آپ کو بڑا حوصلہ ہے! ہم تو اس قابل بھی نہیں کہ روضۂ مبارک کے گنبد شریف ہی کی زیارت نصیب ہو جائے۔ اللہ اکبر! کس قدر شکستگی وتواضع کا غلبہ تھا۔

(ملفوظات حکیم الامت:۱/ ۸۰)

❷- قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (۱۲۴۴-۱۳۲۳ھ) قدس سرہٗ

میں (مولانا اشرف علی تھانوی) جب عازمِ سفرِ حجاز ہوا تو ایک بار حاضری کے بعد عریضے کے ذریعے سے حضرت قدس اللہ سرہٗ کی خدمت میں اپنی تیاریِ سفر کی اطلاع کی۔ حضرت کا جو جواب آیا، اس میں لکھا تھا کہ وہاں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچ کر مجھ کو بھی یاد رکھنا، اور یہ شعر تحریر فرمایا:

چوں باحبیب نشینی و بادہ پیمائی — بہ یاد آر حریفاں بادہ پیما را

''جب دوست کے ساتھ بیٹھ کر جام پیو تو اپنے حریفوں کو بھی یاد کرنا۔''

اس سے حضرت قدس اللہ سرہٗ کا کمالِ تواضع ظاہر ہے کہ ایسے نااہل سے ایسی فرمائش! یہ قصہ بعینہٖ مشابہ اس کے ہے جو حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے اجازت عمرے کی مانگی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے میرے بھائی! ہم کو بھی دعا میں شریک کرنا، بھولنا مت۔ پس تواضع کے ساتھ کمالِ اتباعِ سنت بھی اس قصے سے ثابت ہے۔ (یادِ یاراں، ص:۲۳، مشمولہ: میرے اکابر)

حضرت مولانا گنگوہیؒ ایک مرتبہ حدیث پڑھا رہے تھے کہ بارش آگئی، سب طلبہ کتابیں لے لے کر اندر بھاگے، مگر مولانا سب طلبہ کی جوتیاں جمع کر رہے تھے کہ اُٹھا کر لے چلیں! لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو کٹ گئے۔ (ملفوظات حکیم الامت:۱۱/ ۷۹)

❸ - حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (۱۲۴۸ - ۱۲۹۷ھ) قدس سرہٗ

حضرت مولانا قاسم صاحب جس طالب علم کے اندر تکبر دیکھتے تھے، اس سے کبھی کبھی جوتے اُٹھوایا کرتے تھے، اور جس کے اندر تواضع دیکھتے تھے، اس کے جوتے خود اُٹھالیا کرتے تھے۔(ارواحِ ثلاثہ، ص:۲۳۶)

مولانا نانوتویؒ سفرِ حج میں تھے، اس سفر میں ان کا جہاز یمن کی ایک بندرگاہ پر ٹھہر گیا، اور مولانا کو معلوم ہوا کہ یہاں جہاز چند دن قیام کرے گا، چونکہ آپ کو معلوم ہوا کہ یہاں سے قریب بستی میں ایک بہت معمر عالم اور محدث رہتے ہیں، اس لیے آپ جہاز سے اُتر کر ان کی خدمت میں روانہ ہو گئے۔ انھوں نے حضرت کے اساتذہ کا سلسلہ دریافت فرما کر سندِ حدیث دے دی۔ باوجود کامل ہونے کے دوسرے اہلِ کمال سے استفادہ فرمانا کمالِ تواضع اور حرصِ دین کی دلیل ہے۔ (مصدرِ سابق، ص:۱۸۵، ملخصاً)

حضرت نانوتویؒ علماء کی وضع عمامہ کرتہ کچھ نہ رکھتے۔ ایک دن آپ فرماتے تھے کہ اس علم نے خراب کیا، ورنہ اپنی وضع کو ایسا خاک میں ملاتا کہ کوئی بھی نہ جانتا۔ میں (مولانا محمد یعقوب نانوتوی) کہتا ہوں، اس شہرت پر بھی کسی نے کیا جانا؟ جو کمالات تھے، وہ کس قدر تھے؟ کیا اس میں سے ظاہر ہوئے؟ آخر سب کو خاک میں ہی ملا دیا، اپنا کہنا کر دکھایا۔ (حالاتِ طیب، ص:۵۶، ۵۷)

❹ - استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی (۱۲۴۹ - ۱۳۰۲ھ) قدس سرہٗ

مولانا محمد یعقوب صاحب کتنے بڑے عالم تھے، لیکن درس میں اگر کسی ادنیٰ طالب علم نے بھی مولانا کے خلاف تقریر کر دی اور وہ جی کو لگ گئی تو فوراً مان لیتے تھے، اور صاف الفاظ میں فرماتے تھے کہ مجھ سے غلطی ہوگئی۔ پھر دو چار سیکنڈ کے بعد فرماتے کہ مجھ سے غلطی ہوگئی، یہاں تک کہ مخاطب خود شرمندہ ہو جاتا تھا۔ اور جہاں کوئی شبہ ہوتا تو فرمایا کرتے تھے کہ میرا ذہن جہاں تک پہنچ سکتا ہے، اول ہی مرتبہ پہنچ جاتا ہے، پھر نہیں پہنچتا۔ پھر جہاں شبہ رہتا صاف فرما دیتے: مجھے اس مقام میں شرح صدر نہیں۔ اور کتاب لے کر کسی ماتحت مدرس کے پاس جاتے۔ (مولانا خود صدر مدرس تھے، باقی سب ماتحت ہی تھے) اور شاگردوں کی جگہ بیٹھ کر پوچھتے۔ وہ بھی مزاج سے واقف تھے، نہ اُٹھتے نہ صدر پر بیٹھنے کو عرض کرتے اور وہاں سے آکر صاف فرما دیتے کہ میں نے ان مولوی صاحب سے پوچھا ہے، انھوں نے یہ مطلب بتایا ہے!! اہل اللہ میں بھی اس کی نظیر نہیں ملتی۔ (ملفوظاتِ حکیم الامت: ۲۵ / ۲۵، ۲۶) اس میں حضرت کی تواضع کے کئی واقعات آ گئے۔

❺ - شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی (۱۲۶۸ - ۱۳۳۹ھ) قدس سرہٗ

حضرت اپنے تلامذہ کے ساتھ اس طرح اختلاط و ارتباط و انبساط رکھتے کہ دیکھنے والا کبھی نہ سمجھ سکے

کہ یہ اس مجمع کے مخدوم ہیں۔ (ذکرِمحمود،ص:۱۳۳،مشمولہ:میرے اکابر)

کسی سے کسی خدمت کی فرمائش کرنے کی عادت نہ تھی، بلکہ اکثر مہمانوں کے لیے کھانا مکان سے اپنے ہاتھ میں لاتے اور خود کھلاتے۔ (مصدرِ سابق،ص:۱۳۴)

حضرت مولانا (شیخ الہند) نے ارشاد فرمایا کہ بارہا گنگوہ کی حاضری کے وقت خیال ہوا کہ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ سے حدیث کی اجازت کی درخواست کروں، مگر معاً ہی یہ خیال مانع آ گیا کہ اگر حضرت پوچھ بیٹھیں: تجھ کو آتا ہی کیا ہے جو حدیث کی سند مانگتا ہے؟ تو کیا جواب دوں گا؟ بس یہ سوچ کر رہ گیا۔ اللہ اکبر! کچھ حد ہے تواضع کی!؟ (مصدرِ سابق،ص:۱۳۶)

مدرسہ عالیہ دیوبند میں اہلِ علم کا ایک خاص جلسہ تھا، جس میں اس پر کلام ہورہا تھا کہ آج کل طلبہ اکثر بداستعداد کیوں ہوتے ہیں؟ اور سب متفقاً اس کا سبب طلبہ کی کوتاہیوں کو بتلارہے تھے، مثلاً مطالعہ نہ دیکھنا، سمجھ کر نہ پڑھنا، اپنی رائے سے سبق شروع کردینا، سبق چھوڑ دینا، وغیرہ۔ ایک صاحب جو کسی مدرسے میں مدرس تھے اور حضرت مولانا کے شاگرد بھی تھے اور طبعاً ذرا دلیر بھی تھے، بے ساختہ بول اُٹھے کہ کیوں حضرات! سب طلبہ ہی پر الزام ہے، مدرسین کی کوئی خطا نہیں؟ حضرت مولانا نے فرمایا: ہاں بھئی! وہ تم بتلاؤ۔ وہ بولے: کیا یہ مدرسین کی غلطی نہیں ہے کہ کسی طالب علم نے کوئی بات پوچھی، بجائے اس کے کہ شفقت سے اس کا شبہ رفع کریں، جھاڑ کی طرح اس کے پیچھے لگ گئے اور الزامی جوابوں سے اس کے سر ہوگئے، وہ بے چارہ خوف زدہ ہوکر چپ رہ گیا اور وہ شبہ جوں کا توں رہ گیا، تو اس فن میں کیا استعداد ہو؟ تو مولانا کیا فرماتے ہیں: ہاں بھائی ہاں! سچ کہتے ہو، یہ عیب تو میرے اندر بھی ہے، وہ بے چارے بے حد شرمندہ ہوئے کہ حضرت! واللہ جو میرا یہ مقصود ہو، نعوذ باللہ! حضرت کو تھوڑا ہی کہتا ہوں۔ ہنس کر فرمانے لگے: تم نہ کہو، مجھ کو تو معلوم ہے، میں تو کہتا ہوں۔ (مصدرِ سابق،ص:۱۳۷،۱۳۸)

6-قدوۃ العلما حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری (۱۲۶۹-۱۳۴۶ھ) قدس سرہٗ

مولانا (خلیل احمد سہارنپوری) میں حضرات سلف کی سی تواضع تھی کہ مسائل واشکالاتِ علمیہ میں اپنے چھوٹوں سے بھی مشورہ فرماتے تھے اور چھوٹوں کی باتوں کو شرح صدر کے بعد قبول فرمالیتے تھے، چنانچہ بعض واقعات نمونے کے طور پر پیش ہیں:

ایک بار سفرِ بہاولپور میں اس احقر (حضرت تھانوی) سے ارشاد فرمایا کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قبولِ ہدایا کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ پہلے سے اِشرافِ نفس نہ ہو، مگر سفر میں اکثر داعی کی عادت ہوتی ہے کہ مدعو کو کچھ ہدیہ دیتے ہیں، اس عادت کے سبب اکثر خیال بھی ایسے ہدایا کا ذہن میں آجاتا ہے، سو کیا خیال آنا بھی اشرافِ نفس وانتظار میں داخل ہے، جس کے بعد ہدیہ لینا خلافِ سنت ہے؟ اس حقیر میں کیا قابلیت تھی کہ

ایسے عظیم الشان عالم اور عارف کے سوال کا جواب دے سکوں، لیکن چونکہ پوچھنے کے انداز سے جواب دینے کا حکم معلوم ہوتا تھا، اس لیے جواب عرض کرنا ضروری تھا، چنانچہ میں نے عرض کیا کہ میرے خیال میں اس میں تفصیل ہے، وہ یہ کہ اس احتمال کے بعد دیکھا جائے کہ اگر ہدیہ نہ ملے تو آیا جی میں کچھ ناگواری پیدا ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر ناگواری ہو تو یہ خیال آنا اشرافِ نفس ہے اور اگر ناگواری نہ ہو تو اشرافِ نفس نہیں ہے۔ اس جواب کو بہت پسند فرمایا اور دعا دی۔

اس واقعے میں مولانا کے چند کمالات ثابت ہوتے ہیں: ایک تواضع جس کے سلسلے میں یہ واقعہ ذکر کیا گیا ہے۔ دوسرے دقیق تقویٰ کہ اشراف کے احتمالِ بعید تک نظر پہنچی اور اس پر عمل کا اہتمام ہوا۔ تیسرے اتباعِ سنت، جیسا کہ ظاہر ہے۔ چوتھے اپنے معاملے میں اپنی رائے پر اعتماد نہیں کیا، ورنہ جس کی نظر اتنی دقیق ہو، کیا اس فیصلے تک وہ نظر نہیں پہنچ سکتی تھی؟ (خوانِ خلیل: ص ۱۶۴، ۱۶۵ ملخصاً، مشمولہ: میرے اکابر)

❼ - حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی (۱۲۸۰ - ۱۳۶۲ھ) قدس سرہٗ

حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا: ’’ہمارے سب بزرگوں کی امتیازی شان تواضع اور فروتنی تھی۔ (علم وعمل میں بڑے بڑوں سے ممتاز ہونے کے باوجود اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھتے تھے) اور فرمایا کہ: میں الحمد للہ! کسی کو بھی اپنے دل سے چھوٹا نہیں سمجھتا، کیونکہ میں ہر فاسق میں حالاً اور ہر کافر میں مآلاً یہ احتمال سمجھتا ہوں کہ شاید وہ عند اللہ اس زمانے کے مشائخ واولیاء سے افضل وبہتر ہو۔‘‘ (ملفوظات حکیم الامت: ۲۴ / ۱۶۳)

فرمایا حضرت والا نے: مجھے واللہ! کبھی وسوسہ بھی نہیں آتا کہ مجھے کچھ آتا ہے، اور کوئی فن بھی آتا ہے۔ میں طالب علموں کو بھی اپنے سامنے زیادہ سمجھتا ہوں۔ وعظ کہنے بیٹھتا ہوں تو یہ خیال رہتا ہے کہ کوئی بات غلط نہ بیان ہو جائے۔ اللہ جانتا ہے کہ میں محض بلا تصنع کہتا ہوں۔ ہاں! اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ خدمتِ دین کی مجھ سے ہو سکے اس کی توفیق دے، اور اسی میں عمر ختم ہو جائے۔ (ملفوظات حکیم الامت: ۲۰ / ۱۷۵)

حضرت نے فرمایا: جس طرح میں دوسروں کی اصلاح کے طرق سوچتا رہتا ہوں، اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اپنی اصلاح کے طریق بھی سوچتا رہتا ہوں۔ مسلمان کو تو مرتے دم تک اپنی اصلاح کی فکر میں لگا رہنا چاہیے۔ اس پر بھی اگر نجات ہو جائے تو سب کچھ ہے۔ اس سے آگے ہم کیا حوصلہ اور ہمت کر سکتے ہیں؟ باقی فضائل ومدارج تو بڑے لوگوں کی باتیں ہیں، ہم کو تو جنتیوں کی جوتیوں ہی میں جگہ مل جائے، یہ ہی بڑی دولت ہے۔ (ملفوظات حکیم الامت: ۱ / ۱۵۹، ۱۶۰)

جونپور میں وعظ سے پہلے حضرت کی خدمت میں ایک بے ہودہ خط پہنچا، اس میں چار باتیں لکھی تھیں: ایک یہ کہ تم جولاہے ہو، دوسری یہ کہ جاہل ہو، تیسری یہ کہ کافر ہو، چوتھی یہ کہ سنبھل کر بولنا۔ حضرت نے وعظ سے پہلے مجمع میں خط پڑھ کر سنایا اور چاروں باتوں کا انتہائی تواضع، نرمی اور صفائی سے جواب دیا۔

(واقعے کی تفصیل کے لیے دیکھیے: ملفوظاتِ حکیم الامت: ۲۴/ ۱۷۲-۱۷۴۔ اشرف السوانح: ۱/ ۷۲-۷۵)

❽-امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری (۱۲۹۲-۱۳۵۲ھ) قدس سرہٗ

حضرت کا ارشاد ہے: میں نے سات سال کی عمر کے بعد دین کی کسی کتاب کو بغیر وضو کے ہاتھ نہیں لگایا، اور مطالعہ کے دوران کبھی کتاب کو اپنے تابع نہیں کیا۔ اگر کتاب میرے سامنے رکھی ہوئی ہے اور حاشیہ دوسری جانب ہے تو ایسی کبھی نوبت نہیں آئی کہ حاشیہ کی جانب کو گھما کر اپنے سامنے کرلیا، بلکہ اُٹھ کر اس جانب جا بیٹھا ہوں جدھر حاشیہ ہوتا۔ (نقشِ دوام: ص ۹۲، ۹۳)

جب مجلس علمی ڈابھیل قائم ہوئی اور حضرت شاہ صاحب کی بعض تالیفات طباعت کے لیے منتخب کی گئیں، جن کے سرورق پر حسبِ دستور تعظیمی القاب کے اضافے کیے گئے۔ حضرت نے اس پر ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ صرف محمد انور شاہ الکشمیری لکھیے، یا زیادہ سے زیادہ الاستاذ محمد انور شاہ الکشمیری لکھیے، چناں چہ آپ کی تمام تر وہ مطبوعات جنھیں مجلس علمی نے شائع کیا ہے، اسی نام وعنوان کے ساتھ شائع کی گئیں۔ (مصدرِ سابق، ص: ۹۶)

حضرت فرماتے ہیں: میں ڈابھیل کے سفر کے لیے پابہ رکاب تھا، اسی دوران جامعہ عباسیہ کے شیخ کا تار ملا کہ اس مقدمہ (بہاولپور) میں تیری شہادت مطلوب ہے۔ میں نے سوچا میں ایک بے عمل شخص ہوں، جس کا دامن زادِ آخرت سے خالی ہے۔ شاید مجھ روسیاہ کی نجات کے لیے یہی چیز کارآمد ہو کہ میں محمد رسول اللہ ﷺ کے دین کی حمایت کے لیے آیا ہوں اور ختمِ نبوت کی جانبداری میرے لیے ذریعۂ نجات بن جائے۔ (مصدرِ سابق، ص: ۹۷) یہ واقعات حضرت کی غایت تواضع کے شاہدِ عدل ہیں!

❾-شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی (۱۲۹۶-۱۳۷۷ھ) قدس سرہٗ:

حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ (متوفی: ۱۳۸۱ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یوپی میں میری تقریر تھی۔ رات کو تین بجے تقریر سے فارغ ہوکر لیٹ گیا۔ بیداری اور نیند کے درمیان مجھے محسوس ہوا کہ کوئی میرے پاؤں دبا رہا ہے، میں نے کہا: خیر مجھے عادت بھی ہے، کوئی دوست ہوگا، مگر اسی کے ساتھ یہ معلوم ہو رہا تھا کہ مٹھی تو عجیب قسم کی ہے۔ باوجود راحت کے نیند رخصت ہوتی جارہی ہے، سر اٹھایا تو دیکھا کہ حضرت شیخ مدنی ہیں۔ فوراً پھڑک کر چارپائی سے اُتر پڑا اور ندامت سے عرض کیا: حضرت! کیا ہم نے اپنے لیے جہنم جانے کا خود سامان پہلے سے کم کر رکھا ہے کہ آپ بھی ہمیں دھکا دے کر جہنم بھیج رہے ہیں؟ شیخ نے جواباً فرمایا: آپ نے دیر تک تقریر کی تھی، آرام کی ضرورت تھی، اور آپ کی عادت بھی تھی، اور مجھ کو سعادت کی

ضرورت! ساتھ ہی نماز کا وقت قریب تھا، میں نے خیال کیا آپ کی نماز چلی نہ جائے! تو بتایئے حضرت میں نے کیا غلطی کی؟ (مکتوبات شیخ الاسلام:۱/ ۲۴۲ ملخصاً) حضرت مدنیؒ اپنے نام کے ساتھ غایت تواضع سے ننگ اسلاف لکھا کرتے تھے، اس کے معنی ہیں جو اپنے بڑوں کے لیے عار کا باعث ہو! دیکھیے: مکتوبات شیخ الاسلام۔

ایک مرتبہ کھتولی میں تبلیغی اجتماع تھا، جس میں حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۱۳۶۳ھ) تشریف لائے۔ جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی، اچانک پتہ چلا کہ قریب کانگریس کا جلسہ ہے، جہاں حضرت مدنی تشریف لائے ہوئے ہیں۔ مولانا الیاس صاحب نے تقریر بند کردی اور فرمایا کہ قریب حضرت مدنی تشریف لائے ہوئے ہیں، سب حضرات چل کر ان کی تقریر سنیں۔ وہاں حضرت مدنی کو پتہ چلا کہ قریب میں تبلیغی جلسہ ہے، اور مولانا الیاس صاحب تشریف لائے ہوئے ہیں تو انھوں نے اپنی تقریر ختم کردی، اور لوگوں کو تبلیغی جلسے میں شرکت کی ہدایت فرما کر دیوبند روانہ ہوگئے، جلسہ نہ یہاں ہوا اور نہ وہاں!۔ (حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے حیرت انگیز واقعات، ص:۱۵۸، ملخصاً)

اس واقعے سے دونوں بزرگوں کی تواضع اور اخلاص اظہر من الشمس ہے۔

⑩ - شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی (۱۳۰۵-۱۳۶۹ھ) قدس سرہٗ

حضرت عثمانی حضرت مدنی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں: ''بعض مقامات پر جو ناشائستہ برتاؤ مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے ساتھ کیا گیا ہے تو میں اس پر اظہارِ بیزاری کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مولانا کی سیاسی رائے خواہ کتنی ہی غلط ہو، ان کا علم وفضل بہر حال مسلم ہے، اور اپنے نصب العین کے لیے ان کی عزیمت اور ہمت اور انتھک جدوجہد ہم جیسے کاہلوں کے لیے قابلِ عبرت ہے۔ (کمالات عثمانی، ص:۲۱۸) سیاسی اختلافِ رائے کے باوجود حضرت مدنی کا اور اپنا تذکرہ جس انداز سے فرمایا گیا ہے وہ کمالِ تواضع کی کھلی دلیل ہے۔

اکابرِ دیوبند کے کمالات کا ذکر فرما کر حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۱۳۹۶ھ) فرمایا کرتے تھے کہ: میں نے ایک مصرع کہا ہے، جس کا مصرع ثانی اب تک کوئی نہ کہہ سکا: ''ایک مجلس تھی فرشتوں کی جو برخواست ہوئی۔'' (البلاغ: ۲/ ۹۲۶، خصوصی اشاعت بیادِ فقیہ ملت)

دس اکابر دیوبند کی تواضع کے کچھ واقعات عرض کیے گئے ہیں۔ اب اس شعر پر مضمون ختم کرتا ہوں:

أحب الصالحين ولست منهم   لعل الله يرزقني صلاحا

''نیک لوگوں سے محبت کرتا ہوں اور خود نیک نہیں ہوں، شاید اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نیکی کی توفیق عطا فرمائیں۔''

پانی کا انتظام اور اُس کے فضائل!

مولانا محمد عرفان اللہ اختر

خان پور

اسلام نے بہت سے اعمال کو انسان کے لیے سعادت ونجات، بخشش ومعافی کا ذریعہ بنایا ہے، چنانچہ ان ہی میں سے ایک ''پانی پلانا'' بھی ہے۔ پانی انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے ہے، انسان کیا ہر جاندار پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، اس لیے اسلام نے پانی پلانے کے عمل کی ترغیب دی ہے اور اس عمل میں بہت زیادہ اجروثواب اور ذریعۂ نجات سامان ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو کسی مسلمان کو بھوک کی حالت میں کھانا کھلائے، اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھل اور میوے کھلائے گا، اور جو مسلمان کسی مسلمان کو پیاس کی حالت میں پانی (یا کوئی مشروب) پلائے، اللہ تعالیٰ اس کو نہایت نفیس (جنت کی) شرابِ طہور پلائے گا جس پر غیبی مہر لگی ہوگی اور جو مسلمان کسی مسلمان کو عریانی کی حالت میں کپڑے پہنائے، اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے سبز جوڑے عطا فرمائے گا۔''

(ابوداؤد شریف)

طویل حدیث میں ہے کہ: ''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ چند باتوں کے بارے میں بندے سے سوال فرمائے گا، جن میں ایک یہ ہوگا کہ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پینے کے لیے پانی مانگا تھا، تو نے مجھے پلایا نہیں، بندہ عرض کرے گا: میں آپ کو پانی کیسے پلاتا؟ آپ تو رب العالمین ہیں، آپ کو پینے سے کیا واسطہ؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی پینے کے لیے مانگا تھا، تو نے اس کو نہیں پلایا، سن! اگر تو اس کو پانی پلاتا تو مجھے وہاں پاتا۔'' (مسلم شریف)

اس حدیث میں پانی پلانے کو کس درجہ اہم ترین عمل بتایا گیا اور یہاں تک اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کسی پیاسے بندے کو پانی پلانا، یہ اللہ تعالیٰ کے قربِ خاص حاصل کرنے کا سبب ہوگا۔

پانی پلانا ایک بہت بڑی خدمت اور حصولِ ثواب کا ذریعہ ہے۔ عام طور پر لوگ اس کو زیادہ

اہمیت نہیں دیتے یا اس خدمت کو کوئی بڑی اور عظیم خدمت نہیں سمجھتے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ پیاسوں کو پانی پلانا بھی بڑا کارِثواب ہے۔ اور اس پر بھی اللہ تعالیٰ نے بہت سے اجروثواب کے وعدے فرمائے ہیں اور نبی کریم ﷺ نے پانی پلانے کی اہمیت اور ضرورت کو اپنے مختلف ارشادات میں بیان کیا ہے، پانی پلانے کی ترغیب دی اور انسانوں کو راحت پہنچانے کی تلقین فرمائی ہے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’سات چیزوں کا اجروثواب بندے کو مرنے کے بعد قبر میں بھی پہنچتا رہتا ہے۔ کسی کو علم سکھائے، نہر کھودے، کنواں کھودے، کھجور کا درخت لگائے، مسجد تعمیر کرائے، قرآن کریم کا نسخہ اپنے پیچھے چھوڑ کر جائے یا ایسی اولاد چھوڑے جو اس کے مرنے کے بعد اس کے لیے مغفرت کی دعا کرے۔‘‘ (الترغیب والترہیب)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

’’پانی پلانے سے بڑھ کر ثواب والا صدقہ کوئی نہیں ہے۔‘‘ (الترغیب والترہیب)

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ بعض تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم کے حوالے سے نقل کرتے ہیں: ’’جس کے گناہ زیادہ ہوں وہ لوگوں کو پانی پلائے، تحقیق اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو معاف کر دیا جس نے ایک کتے کو پانی پلایا تھا تو اللہ اس شخص کو کیسے معاف نہیں کرے گا جو ایک موحد مومن کو پانی پلائے۔‘‘ (تفسیر قرطبی)

مولانا منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ: ’’بعض اوقات ایک معمولی عمل دل کی خاص کیفیت یا خاص حالات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی قبولیت حاصل کر لیتا ہے اور اس کا کرنے والا اسی پر بخش دیا جاتا ہے، اس حدیث میں جس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے اس کی نوعیت بھی یہی ہے۔‘‘ (معارف الحدیث)

جس وقت رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے، وہاں میٹھے پانی کی بڑی قلت تھی، بئرِ رومہ کے علاوہ کوئی کنواں نہ تھا جس سے میٹھا پانی حاصل کیا جاتا، اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ’’جو کوئی بئرِ رومہ کو خرید کر مسلمانوں کے لیے عام کر دے، اس کو جنت میں اس سے بہتر ملے گا۔‘‘ جب یہ بات حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انہوں نے پینتیس ہزار درہم میں اس کو خرید لیا، پھر نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا: مجھے بھی وہی ملے گا جو آپ نے اس شخص کے لیے فرمایا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے اس کو مسلمانوں کے لیے عام کر دیا۔‘‘ (حضرت عثمانؓ شخصیت اور کارنامے)

صاف، میٹھا اور ٹھنڈا پانی پلانے سے پیاسے انسان کو بہت راحت ملتی ہے اور یہی پانی تلخی اور پیاس میں بہت عمدہ بھی لگتا ہے، اس لیے پانی پلانے میں اس کا بھی اہتمام کرنا چاہیے کہ جس سے پینے والوں کو راحت بھی ملے اور سخت گرمی میں سکون بھی حاصل ہو۔ نبی کریم ﷺ کو ٹھنڈا پانی پسند تھا، حضرت عائشہ

صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ’’آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پینے میں ٹھنڈا اور میٹھا پانی محبوب تھا، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس کا اہتمام بھی کیا جاتا تھا۔‘‘ (ترمذی شریف)

سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ’’میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب بندہ اپنی بیوی کو پانی پلاتا ہے تو اس کو اجر ملتا ہے۔‘‘ عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: پس میں اُٹھا اور اپنی بیوی کو پانی پلایا اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنائی۔ (مسند احمد)

حضرت سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: ’’ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: میں اپنے تالاب میں پانی بھرتا ہوں تو جس وقت میں اُسے اپنے اونٹوں کے لیے بھر دیتا ہوں تو اتنے میں کسی دوسرے کا اونٹ آ جاتا ہے اور میں اسے بھی پانی پلا دیتا ہوں تو کیا مجھے اس کا ثواب ملے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’ہر پیاسے جاندار کو پانی پلانے سے ثواب ملتا ہے۔‘‘ (الترغیب والترہیب)

ایک روایت کے لفظ ہیں: ’’جو کھود کر پانی نکالے گا تو جو بھی جاندار اور پیاسا جن، انسان یا پرندہ اس سے پیے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُسے اس کا ثواب دے گا۔‘‘ (الترغیب والترہیب)

انسان کو پانی پلانا تو بہت اجر وثواب کا باعث ہے ہی، اسی طرح جانوروں کو بھی پانی پلانا اتنا بڑا کارِثواب ہے کہ یہ عمل انسان کے لیے نجات وبخشش کا ذریعہ وسبب بن جاتا ہے، جیسا کہ حدیث مبارک میں پیاسے کتے کو پانی پلانے پر مغفرت کا ذکر موجود ہے۔

علی بن حسن بن شقیق رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے زخم کے متعلق سوال کیا جو سات سال سے اس کے گھٹنے میں تھا جس سے خون رس رہا تھا، اس شخص نے کہا: میں نے کافی اطباء سے رجوع کیا، لیکن اِفاقہ نہیں ہوا۔ امام صاحب نے کہا: کسی ایسی جگہ پر کنواں کھدوا دے جہاں لوگوں کو پانی کی ضرورت ہے، مجھے اُمید ہے کہ اِدھر پانی کا چشمہ پھوٹ نکلے گا اُدھر تیرا خون رک جائے گا۔ پس اس شخص نے امام صاحبؒ کے مشورے پر عمل کیا اور اس کا خون رک گیا۔ (سير أعلام النبلاء)

پانی پلانا اور اس کا انتظام کرنا صدقہ جاریہ ہے، جس کا ثواب مرنے کے بعد انسان کو ملتا رہتا ہے۔ نلکا، ٹینکی، کنواں، ٹیوب ویل وغیرہ کی شکل میں غریبوں اور ناداروں کے لیے پانی کا انتظام کرنا مرحومین کے ایصالِ ثواب اور اُن کے لیے اجرِ عظیم ہے۔ انسان کی پانی کی ضروریات کی تکمیل نہایت اجر وثواب اور بلندیِ درجات کا باعث ہے۔ نہ صرف انسانوں کو پانی پلانا اجر وثواب، رضائے خدا اور دخولِ جنت کا ذریعہ ہے، بلکہ پیاسے جانوروں کے لیے پانی کا نظم کرنا بھی ثواب اور ذریعۂ نجات ہے۔

..... ۞ ..... ۞ ..... ۞ .....

ہیٹ ویو سے بچاؤ

ایک دینی اور شرعی تقاضا

مولانا ابوبکر حنفی شیخوپوری

موسمِ گرما، قدرت کی نشانی

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی موسمیاتی تبدیلی اور ماحولیاتی تغیر ہے، کبھی فضا میں خنکی بڑھ جانے سے موسم سرد ہو جاتا ہے تو کبھی لو چلنے سے حدت پیدا ہو جاتی ہے، کبھی بہاروں کی رت درختوں کو سرسبز پوشاک سے آراستہ کرتی ہے تو کبھی خزائیں ڈیرے ڈال کر اُن سے یہ رونقیں چھین لیتی ہیں۔ یہ سب خالقِ حقیقی کی خوبصورت تخلیق کے دلفریب مناظر اور اس کی کمالِ صنعت کے مظاہر ہیں، جو یہ اعلان کر رہے ہیں کہ کوئی ایسی ہستی ہے جو نظامِ کائنات کی منظم اور گردشِ ایام کی محرک ہے۔

شریعت اور ہیٹ ویو سے بچاؤ

اس وقت موسمِ گرما ہم پر سایہ فگن ہے، سورج کی حدت سے فضا میں ردوبدل کی صدیوں پرانی فطری اور تکوینی روایت جاری ہے۔ اس موسم میں خود کو آفتاب کی تپش سے بچانا، گھر سے باہر سر ڈھانپ کر نکلنا اور ہیٹ ویو سے بچاؤ کے تمام تر ممکنہ اقدامات کرنا صرف انسان کی طبعی ضرورت ہی نہیں، بلکہ ایک اہم دینی تقاضا اور شرعی حکم ہے۔ قرآن وسنت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ گرمی کی تپش سے بچنے کے لیے کسی درخت یا عمارت کے سائے میں بیٹھنا اور آرام کرنا چاہیے، بلاوجہ دھوپ میں کھڑا ہونا ایک نامناسب طریقہ اور خود کو سزا دینے کے مترادف ہے۔ قرآنِ کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں مذکور ہے کہ جب وہ مصر سے سفر کرتے ہوئے مدین پہنچے تو کنویں کے قریب موجود ایک درخت کے سائے میں پناہ لی، چنانچہ

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''ثُمَّ تَوَلّٰۤى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّیْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ '' (القصص:۲۴) کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سائے کی طرف پناہ پکڑی تو عرض کیا: اے میرے رب! تو نے جو مجھے یہاں (مدین میں) اُتارا ہے، میں خیر کا طلبگار ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول بھی یہی تھا کہ دورانِ سفر کچھ دیر کے لیے رُکنا پڑتا تو سائے والی جگہ کا انتخاب فرماتے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کے وقت ہمارے گھر تشریف لائے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت یہ تھی: ''مقنعاً رأسهٗ'' کہ اپنے سرمبارک کو کپڑے سے ڈھکا ہوا تھا۔ قرآنِ کریم میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''لَا تَظْلِمُوْا فِیْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ ''یعنی ''ان (مخصوص ماہ) میں اپنے اوپر ظلم نہ کرو۔'' (سورۂ توبہ) اس آیت کی رو سے جہاں اپنی جان کے اوپر ہر قسم کی زیادتی حرام قرار دی گئی ہے، وہیں اس کے عموم میں گرمی کی حرارت سے خود کو اذیت میں مبتلا کرنا بھی شامل ہوگا۔ حضرت قیس بن حازم رضی اللہ عنہ اپنے والد کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ وہ دھوپ میں بیٹھے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھ لیا تو فرمایا: سائے میں آ جاؤ۔

ہیٹ ویو اور شجرکاری

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے درخت کے نیچے پیشاب پاخانہ کرنے سے منع فرمایا ہے جہاں لوگ سایہ حاصل کرنے لیے رکتے ہوں، اور اس غیر مہذب عمل کو موجبِ لعنت قرار دیا ہے۔ (مسند احمدؒ)

اسی طرح جو کام ہیٹ ویو کے تدارک کا سبب بنے اس کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے، چنانچہ درخت ہیٹ ویو میں کمی کا باعث بنتے ہیں، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درخت لگانے کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان نے کوئی درخت لگایا اور اس کا پھل آدمیوں اور جانوروں نے کھایا تو اس درخت لگانے والے کے لیے صدقے کا ثواب ہے۔ (مجمع الزوائد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ہی روایت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور ارشاد ہے: ''سات اعمال ایسے ہیں جن کا ثواب آدمی کو مرنے کے بعد بھی پہنچتا رہتا ہے، حالانکہ وہ قبر میں ہوتا ہے، ان میں سے ایک درخت لگانا ہے۔'' (صحیح الجامع الصغیر)

ہیٹ ویو اور ٹھنڈے پانی کا استعمال

ہیٹ ویو کے مضر اثرات سے بچنے کا ایک اہم ذریعہ ٹھنڈے اور صاف پانی کا استعمال ہے۔ گرمی سے بے حال لوگوں کے ٹھنڈے پانی کا انتظام کرنا خواہ وہ کولر بھر کر رکھنے کی صورت میں ہو یا پانی کی ٹینکی

لگوانے کی صورت میں ہو، انتہائی مبارک عمل اور خدمتِ انسانیت کی اعلیٰ مثال ہے، یہ وہ صدقہ جاریہ ہے جس کا ثواب مرنے کے بعد بھی پہنچتا رہتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جو کسی مسلمان کو بھوک کی حالت میں کھانا کھلائے اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے میوے کھلائے گا، جو کسی مسلمان کو پیاس کی حالت میں پانی پلائے گا اللہ اس کو نہایت نفیس شرابِ طہور پلائے گا جس پر غیبی مہر لگی ہوگی اور جو کسی ننگے مسلمان کو کپڑا پہنائے گا اللہ اس کو جنت کے سبز جوڑے پہنائے گا۔'' (سنن ابی داؤد)

نمازِ ظہر میں تاخیر

گرمی کے موسم میں دھوپ سے بچنا کتنا ضروری ہے، اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ نماز جیسی عبادت جسے اول وقت میں پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے، اس کو مؤخر کرنے کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گرمیوں کے موسم میں نمازِ ظہر کو زوال کے فوراً بعد ادا نہیں کرنا چاہیے، بلکہ اتنی تاخیر سے پڑھنا چاہیے کہ گرمی کی حدت میں قدرے کمی واقع ہوجائے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب سخت گرمی پڑے تو نماز کو ٹھنڈا کرکے پڑھو۔ آگے اس کی وجہ بتاتے ہوئے فرمایا: گرمی کی شدت جہنم کے سانس لینے کی وجہ سے آتی ہے (اور جہنم نے اس لیے سانس لیا کہ ایک دفعہ) آگ نے اپنے رب سے شکایت کرتے ہوئے کہا: اے میرے رب! (گھٹن کی وجہ سے) میرا بعض حصہ بعض حصے کو کھا رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو دو سانس لینے کی اجازت دی، ایک سانس سردیوں میں اور ایک سانس گرمیوں میں۔'' (بخاری مسلم)

جانوروں کو ہیٹ ویو سے بچانا

شریعتِ مطہرہ میں جانوروں کے حقوق کا خیال رکھنے پر بڑا زور دیا گیا ہے، لہٰذا جس طرح ہم اپنی ذات کے لیے گرمی سے بچاؤ کی حفاظتی تدابیر اختیار کرتے ہیں، اسی طرح جانوروں کو بھی سائے میں باندھنے کا اہتمام کرنا ضروری ہے، لہٰذا ان جانوروں کا یہ حق ہے کہ اگر مالک ان سے کام لیتا ہے تو ان کی بھوک پیاس اور دھوپ چھاؤں کا بھی خیال کرے، خدانخواستہ ان کی ضروریات کا خیال نہ کیا تو قیامت کے دن جس طرح انسانوں کے حقوق کا حساب دینا پڑے گا، اسی طرح جانوروں کے بارے میں کی گئی حق تلفی پر جوابدہ ہونا پڑے گا۔

.....❁.....❁.....❁.....

ماں جی!!!

ڈاکٹر مولانا سید احمد یوسف بنوری

ماں جی چلی گئیں، جب بابا گئے تو بارہ سال کا تھا، پہلی قبر باپ کی تھی جو اندر سے دیکھی، اب ماں کی قبر پہلی تھی جس میں خود اندر اُترا، زندگی میں موت نہ ہوتو ستر ماؤں سے بڑھ کر چاہنے والے سے ملاقات کیسے ہو؟ حیات سے پہلے عدم نہ ہوتو خدا کا ثبوت کیونکر ملے!

ماں جی میری کائنات تھیں جس میں چلنا، بولنا ہی نہیں، بلکہ ہر اعلیٰ انسانی صفت کا لمس محسوس کیا، وہ میرا محور نہ بنی کہ میں اُن کا طواف کرتا، وہ میری بنیاد ٹھہریں جس پر کھڑے ہوکر میں سر اُٹھا کر دیکھنے کے قابل ہوسکا۔

سید السادات خانوادۂ بنوریؒ سے منسوب ہونا مجھ سے استخواں فروش کے لیے احتراز کا باعث ہے، ہماری کامیابیوں کا پیمانہ اور فلاح کی معراج یہی مقسوم سمجھی جاتی ہے کہ ہم محدث العصر حضرت بنوری علیہ الرحمہ کے نقشِ قدم سے کتنے فاصلہ پہ ہیں، مگر سرورِ دو عالم ﷺ نے بھی خود کو ایک موقع پہ اپنی والدہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

’’إِنَّمَا اَنَا ابْنُ امْرَأَةٍ تَأْكُلُ الْقَدِيْدَ‘‘(سنن ابن ماجة، أبواب الأطعمة، باب القديد: ٤/ ٤٣٠، رقم:٣٣١٢، ط: دار الرسالة العالمية)

’’میں اُس ماں کا بیٹا ہوں جو گوشت کے خشک پارچے کھایا کرتی تھی۔‘‘

چنانچہ اپنی تمام تر پدری عالی نسبی اور اس نسبت کی کرم فرمائیوں کے باوجود میرے لیے یہ بہت ہے کہ میری باکمال ماں مجھے اپنے بیٹا سمجھتی تھی:

کیا جھگڑا سود خسارے کا　　یہ کاج نہیں بنجارے کا
سب سونا روپا لے جائے　　سب دنیا، دنیا لے جائے
تم ایک مجھے بہتیری ہو

وہ کیا تھیں اس پر مجھے ابھی غور کرنا ہے، ہم حسینی ہیں تو زندگی ایسے گردابوں میں رہتی ہے کہ اتنی فرصت نہیں مل پاتی کہ اپنے ہاتھوں سے وہ آئینہ تراشوں جس میں اُن کی جھلکیاں دیکھ سکوں اور پھر یہ کہہ کر دعوتِ نظارہ دوں کہ:

وہ تو وہ ہے تمہیں ہو جائے گی اُلفت مجھ سے
اِک نظر تم مِرا محبوبِ نظر تو دیکھو

بہرحال اس موقع پہ ''اذکروا محاسن موتاکم'' کی روایت کے مطابق ان کے چند اوصاف کا ذکر کارِ خیر شمار ہوگا، اس طرح کے ذکرِ خیر سے اپنی اصلاح کا موقع بھی ملتا ہے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ سمیت بہت سے مصلحینِ امت نے اپنی اصلاح کا ایک طریقہ کار لکھا ہے جسے ''مراقبۂ نعمِ الٰہیہ اور تقصیراتِ خود'' کے عنوان سے سلوک کی کتابوں میں ذکر کیا جاتا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ انسان اکیلے میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا تجزیہ کرے اور ان کا شمار کرے، کیونکہ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کے احسانات کا انسان کو احساس نہ ہو تو غفلت بھی طاری ہوتی ہے اور اللہ کے دین کے جو تقاضے ہیں وہ بھی پورے نہیں ہو سکتے۔ اب جب ہم اساتذہ کا یا اپنے ماں باپ کے احسانات کا تذکرہ کرتے ہیں تو اس میں تفاخر کا احساس نہیں ہونا چاہیے، بلکہ نیت یہ ہونی چاہیے کہ اے اللہ! آپ نے یہ نعمتیں دیں، ہمیں ان پر شکرگزاری کی توفیق بھی عطا فرمائیے!

سب سے پہلا وصف جو میں نے اپنی والدہ میں پایا وہ ایسا ہے جس پر بات کیے بغیر کوئی بات نہیں بنتی، وہ ہے ان کی ''خودداری اور غیرت'' وہ نہایت غیرت مند اور خوددار خاتون تھیں، دین کی خدمت کرنے والا شخص خوددار اور غیرت مند نہیں ہے تو وہ دین کی کوئی خدمت انجام نہیں دے سکتا، وہ قدم بہ قدم مفاد پرستی کا شکار ہوگا، اور اسے کلمۂ حق کہنے کی توفیق نہیں ہوگی۔

غیرت کیا ہے تو ایسے سمجھیں کہ خودداری کی تیغ کو وفا کی سان پہ دھر کر حوصلوں کی تپش دکھاؤ تو غیرت کی وہ شمشیرِ خارا شگاف بنتی ہے جس کے بارے میں اقبال نے کہا ہے:

غیرت ہے بڑی چیز جہانِ تگ و دَو میں
پہناتی ہے درویش کو تاجِ سرِ دارا
حاصل کسی کامل سے یہ پوشیدہ ہُنَر کر
کہتے ہیں کہ شیشے کو بنا سکتے ہیں خارا

میں نے اپنی ماں جیسی خود دار اور غیرت مند شخصیت کا اب تک اپنی زندگی میں مشاہدہ نہیں کیا، تمام زندگی قرض لینا اور قرض دینا دونوں سے محفوظ رہیں، مجھے یاد نہیں ہے کہ انہوں نے کبھی کسی کے سامنے ہاتھ پھیلایا ہو، جو کچھ ان کے لیے جامعہ کی طرف سے مقرر کیا گیا، اسی میں انہوں نے گزارا کیا۔ کبھی مجھے اس کا احساس نہیں ہوسکا کہ گھر کی اشیاء بیچی بھی جاسکتی ہیں، یا کسی سے قرض مانگنا بھی وسائل کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے وابستگان میں حرمین کا سفر ثروت کا محتاج نہیں ہوتا، یوں وہاں کی زیارتوں کے اسباب بنتے رہتے ہیں، مگر ماں جی اس خانوادہ کے مرکز میں آباد ہونے کے باوجود کبھی دوسروں کے سہارے اس سعادت کی ملتمس نہ ہوئیں، میرے والد کی وفات کے کئی عرصہ بعد نانا کی میراث میں ملنے والی رقم سے خود کو، مجھے اور میری ہمشیرہ کو فرض حج کرایا، یہی موقع ان کا پہلا اور آخری حرمین کی زیارت کے شعوری سفر کا باعث ٹھہرا، ان کی وفات سے تین سال قبل جب میں نے بڑی چاہ سے انہیں دوبارہ عازمِ سفر کیا تب تک وہ اپنی مختلف بیماریوں کی وجہ سے مکلف ہونے کی منزلوں سے ماورا ہو چکی تھیں، تو اس غیرتِ ناہید کی ہر تان دیپک ہی رہی، اس نے اپنے مالک کے دربار میں کسی اور کا منت کش ہونا گوارا نہ کیا، میری ماں خودداری کی دھیمی آنچ میں جلتے چراغوں سے اپنا من روشن رکھتی تھی اور اسی میں مگن رہتی تھی، لیکن اگر کبھی میری غفلت کا سایہ بھی اس پہ پڑنے لگے تو اس کی محبت سے چور آنکھوں میں، میں نے شعلہ لپکتا دیکھا ہے، کیوں نہ ہو وہ بخاری سیدانی تھی جو ہزاروں سالوں سے تاریخ کے غیوروں کا پڑاؤ بننے والے شہر پشاور میں پلی بڑھی تھی، ان جیسی سرزمینوں کے بارے لوگوں نے کہہ رکھا ہے:

نہ اس میں گھاس اُگتی ہے نہ پھول کھلتے ہیں
مگر اس سرزمین پہ آسمان بھی جھک کے ملتے ہیں

تو میری ماں کے حضور بھی میں نے شہہ زوروں کو دبتے، دریاؤں کو منہ موڑتے اور فلک کو احترام میں جھکتے دیکھا ہے، لیکن جب بابا کی وفات کے بعد اس نے اپنے خرمنِ دل میں بچوں کی پرورش کا روگ پالا تو وہ سمٹ کر رہ گئیں، من کی دنیا کی ہر خواہش تج کر اس نے گھر کے گوشہ کو جہاں کر لیا:

جو رُکے تو کوہِ گراں تھے ہم جو چلے تو جاں سے گزر گئے
رہِ یار! ہم نے قدم قدم تجھے یادگار بنادیا

یہ خود کو وقف کرنے کی وہ سنت تھی جس کی ادائیگی کے بغیر اپنے بانی کی منشا کے مطابق جامعہ اپنے در کسی کے لیے مستقل وا نہیں کرتا۔

اب وہ گئیں تو اس شان سے کہ کئی سال سے انہوں نے اپنے دماغ کی آنکھیں موند لی تھیں، میں نے

اور بہن نے اس بے دل دنیا کی کامیابیوں کی ٹھکریاں اُٹھا اُٹھا کر ان کے پاؤں میں ڈھیر کرنا چاہیں، مگر ماں جی نے خاموشی سادھنا شروع کردی، جیسے کہتی ہوں: مجھے ان سے کیا غرض؟! بس تم خوش ہو میرے لیے یہی کافی ہے۔

ہم تڑپ گئے کہ ماں جی آؤ! یہاں سے اب دنیا دیکھو، مگر وہ آہستہ آہستہ آنکھیں بند کرنے لگ گئیں، گویا مجھے تمہارے ہاتھ کا بھی کچھ نہیں چاہیے:

ہم خستہ تنوں سے محتسبو! کیا مال منال کا پوچھتے ہو
جو عمر سے ہم نے بھر پایا سب سامنے لائے دیتے ہیں
دامن میں ہے مشتِ خاکِ جگر ساغر میں ہے خونِ حسرتِ مے
لو ہم نے دامن جھاڑ دیا لو جام اُلٹائے دیتے ہیں

ان کا دوسرا وصف جو یہاں قابلِ ذکر ہے وہ ان کا خود کو وقف کردینا ہے، جامعہ میں اللہ تعالیٰ جو بھی خدمت کے مواقع دیتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم خود کو اس ادارے کی خدمت کے لیے وقف کردیں۔ حضرت بنوری رحمہ اللہ نے تمام چیزوں کو چھوڑ کر اور تمام مناصب کو چھوڑ کر اس ادارے کی خدمت کے لیے خود کو وقف کیا۔ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندرؒ جو ہم سب کے شیخ تھے، ہم نے اُن سے بارہا سنا کہ میرے شیخ نے مجھے یہ نصیحت کی تھی کہ: ''اس ادارے کے لیے خود کو وقف کردو، پھر میں نے نگاہ اُٹھا کر کہیں اور نہیں دیکھا۔'' زمین وآسمان کی ہزار گردشیں آئیں اور حالات کئی طرح کے آئے، لیکن وہ اپنے شیخ کے عہد پر ثابت قدم رہے۔

میری ماں کا تعلق سید خاندان سے تھا، وہ بخاری سیدہ تھیں، مگر ان کے خانوادہ میں علم دین کی تحصیل کی روایت مستحکم نہیں تھی، اس رشتہ کا باعث دادا جان حضرت بنوریؒ کی بھابھی تھیں جو پشاور ہی کی رہنے والی تھیں، میری نانی اس رشتہ کا باعث یہ بیان کیا کرتی تھیں کہ مجھے حضرت بنوریؒ کی سوانح پر مشتمل بینات کا خاص نمبر لاکر دیا گیا، جس کے مطالعہ کے بعد میرا ذہن بنا کہ اگر حضرت کے آدھے اوصاف بھی ان کے صاحبزادہ (والدگرامی) میں ہوئے تو میری بیٹی کی سعادت کے لیے کافی ہوگا، اس واقعہ کو سوچ کر راقم کے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ حضرت بنوری رحمہ اللہ کے کردار کا یہ کیسا فسوں تھا کہ بیٹے تو بیٹے لوگوں نے اپنی بیٹیاں بھی آپ کے نامِ نامی پہ نثار کردیں۔

ان کا ایک اور خاص وصف اُن کی جرأت وبہادری تھی، جس طرح کے بے لگام ہجوم کے سامنے مرد کہلانے والے انسانوں کا پتہ پانی ہوتا ہے میں نے اس موقع پہ انہیں دیو مالائی بہادری کا مجسم نمونہ بنتے اور بپھرتے آگے بڑھتے دیکھا ہے، آج اگر میری آواز میں کوئی خروش محسوس ہوتا ہے یہ میری والدہ کی دَین ہے۔ ہماری ماؤں کا یہ احسان ناقابلِ فراموش رہے گا کہ ان کی تربیت سے ہم زیست کے کٹھن مرحلوں میں

پامردی سے حالات کا سامنا کر پاتے ہیں۔

یہاں نہایتِ کلام میں ایک اہم پہلو کی طرف رہنمائی مناسب معلوم ہوتی ہے:

یہ درست ہے کہ ادب ہمارا شعار ہے: ’’وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ‘‘ ہم اساتذہ کا احترام کرتے ہیں، اپنے بڑوں کا احترام کرتے ہیں، ہم اپنے مدرسے کے خدام کا احترام کرتے ہیں، ان تمام آداب کا ثبوت قرآن وحدیث سے ملتا ہے، لیکن ایک چیز کا اعلان نصِ قرآنی ہے اور وہ ہے ماں باپ کا احترام، اگر ہم میں اپنے استاذ کو دیکھ کر کپکپی طاری ہوتی ہے، لیکن ہم گھر میں اپنے والد کو دیکھ کر احترام سے کھڑے نہیں ہوتے تو ہم دین میں کامل نہیں، ناقص ہیں، ہم ملکوں ملکوں اپنی اصلاح کے لیے شیوخ کو تلاش کرتے ہیں، پھر ان سے اصلاحِ نفس کی غرض سے وابستگی اختیار کرتے ہیں، موقع بے موقع ان کی کرامتوں کے تذکرے کرتے ہیں، لیکن ہمیں اپنے گھر میں اللہ کی وہ ولیہ ماں یاد نہیں آتی تو ہمارا فہمِ دین بھی ناقص ہے، اور ہمارا عمل بھی ناقص ہے۔ قرآن نے ماں باپ کے بارے میں وصیت کی ہے کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے، یاد رہے کہ قرآنِ کریم نے صرف مسلمان والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید نہیں کی، بلکہ سورۂ عنکبوت میں جہاں والدین کی طاعت شعاری کو لازم قرار دیا ہے، وہاں پس منظر میں کافر ماں باپ مراد ہیں، ہاں! یہ حدود ضرور بیان کیے گئے ہیں کہ ’’مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ‘‘ میں ان کی اتباع نہیں کرنی چاہیے، لہٰذا اگر وہ کوئی خلافِ شریعت بات کہیں تو اس میں اطاعت ناجائز ہوگی، چنانچہ دین میں مطلوب ہے کہ ماں باپ جیسے بھی ہوں ان کا احترام بقیہ دیگر تمام رشتہ وتعلق سے بڑھ کر کیا جائے، اگر ہم اپنے والدین کے بارے میں کسی کوتاہی کے مرتکب ہیں اور ہمارا خیال یہ ہے کہ ہمیں دیگر نسبتوں کا احترام بچالے گا تو یہ ہم سب کی بڑی غلط فہمی ہے، اسے دور کرنا چاہیے۔

آخر میں عرض ہے کہ جو ہم نیکیاں کرتے ہیں وہ مل ملا کر آنحضرت ﷺ کے دامن تک پہنچ جاتی ہیں، اُمید ہے آپ قارئین میری والدہ کے لیے ایصالِ ثواب کا اہتمام کریں گے، اس کی نیکیاں آپ کے لیے بھی محفوظ رہ کر اُن تک ان شاء اللہ پہنچیں گی۔ اس سلسلے میں گزارش ہے کہ آج ایک مختلف طرز سے ایصالِ ثواب کا اہتمام کریں وہ یوں کہ آج گھر جا کر اپنے ماں باپ کی قدم بوسی کیجیے، ان کی خیال داری کا خصوصی انتظام فرمائیے، ایسا کرنے کا باعث اگر میری والدہ کی تعزیت بن جائے تو اس کا ثواب میری والدہ کے حضور پہنچے گا تو میں آپ کا ممنون رہوں گا۔

آیئے! رب کے فرمان عالی شان کو پڑھتے ہیں اور آمین کہتے ہیں:

’’وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسَانًا ۭ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّ وَضَعَتْهُ كُرْهًا ۭ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ

ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ'' (الاحقاف:۱۵)

''اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے کی نصیحت کی، اس کی ماں نے اسے تکلیف جھیل کر پیٹ میں رکھا اور تکلیف برداشت کر کے اسے جنا۔ اس کے حمل کا اور اس کے دودھ چھڑانے کا زمانہ تیس مہینے کا ہے، یہاں تک کہ جب وہ پختگی اور چالیس سال کی عمر کو پہنچا تو کہنے لگا: اے میرے پروردگار! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر بجا لاؤں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر انعام کی ہے اور یہ کہ میں ایسے نیک عمل کروں جن سے تو خوش ہو جائے، اور تو میری اولاد بھی صالح بنا، میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور تابع فرمان (مسلم) بندوں میں سے ہوں۔'' (آمین ثم آمین)

''اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْۤ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ؕ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ'' (الاحقاف:۱۶)

''یہی لوگ ہیں جن کے اعمال نیک ہم قبول کریں گے اور ان کے گناہوں سے درگزر فرمائیں گے اور (یہی) اہلِ جنت میں (ہوں گے)، (یہ) سچا وعدہ (ہے) جو اُن سے کیا جاتا ہے۔''

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

لیبارٹری میں تیار شدہ گوشت کے استعمال کا حکم

ادارہ

سوال

جدید سائنس کی دنیا میں گوشت (پروٹین) کی کمی کو پورا کرنے کے لیے لیبارٹری میں گوشت تیار کیا جا رہا ہے، اس کے بنیادی ماخذ جانور یا پودے ہوتے ہیں، البتہ اس میں کچھ ایسے ہارمونز بھی استعمال کیے جاتے ہیں جن کے حلال یا حرام ہونے کا مکمل علم نہیں ہے، سوال یہ ہے کہ لیبارٹری میں تیار شدہ گوشت کے استعمال کا کیا حکم ہے؟

جواب

صورتِ مسئولہ میں لیبارٹری میں تیار کردہ گوشت کے حلال ہونے کا تعلق درج ذیل اشیاء کے جاننے پر موقوف ہے:

اس گوشت کے بنانے میں استعمال ہونے والے اجزائے ترکیبی ناپاک یا حرام نہ ہوں، کیوں کہ اس کے بنانے میں گوشت کے خلیوں کے علاوہ کیمیکلز کا استعمال بھی ہوگا۔

جس برتن میں ان خلیوں کی افزائش ہوگی، وہ ناپاک نہ ہوں۔

جن جانوروں کے گوشت کو استعمال کر کے یہ گوشت تیار کیا جائے گا، وہ حرام نہ ہوں۔

اگر یہ گوشت پودوں سے تیار کیا جائے تو وہ پودے نشہ آور یا مضرِ صحت نہ ہوں۔

اس گوشت کی تیاری میں استعمال ہونے والے ہارمونز حرام نہ ہوں۔

یہ گوشت انسانی صحت کے لیے مضر نہ ہو۔

لہٰذا جب تک ان تمام امور کا جائزہ لے کر معلومات اکھٹی نہ کی جائیں، لیبارٹری میں تیار کردہ کسی

خاص قسم کے گوشت کی حلت یا حرمت کا دوٹوک فیصلہ کرنا ممکن نہیں، چوں کہ گوشت کے حلال ہونے میں شریعت کا ایک جداگانہ معیار ہے؛ اس لیے جب تک مندرجہ بالا امور کے بارے میں پختہ علم حاصل نہ ہو، لیبارٹری کے گوشت سے بچنا چاہیے۔

’’(لبقائه) أي اللحم على الحرمة أي التي هي الأصل إذ حل الأكل متوقف على تحقق الذكاة الشرعية و بتعارض الخبرين لم يتحقق الحل فبقيت الذبيحة على الحرمة.‘‘(حاشية على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، ج:١ ، ص:٢٤، ط: المطبعة الكبرى الأميرية ببولاق)

’’(اللحم) من جسم الحيوان والطير الجزء العضلي الرخو بين الجلد والعظم.‘‘(المعجم الوسيط، ج:٢، ص: ٨١٩، ط: دار الدعوة)

فقط واللہ اعلم

فتویٰ نمبر:144012201327 دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

اُلٹی چپل کو سیدھا کرنے کا حکم

سوال

چپل یا شوز اگر اُلٹے ہوں، یعنی ان کے نیچے والا حصہ آسمان کی طرف ہو تو ان کو اہتمام سے سیدھا کردینا اچھا عمل ہے یا بدعت؟

جواب

کسی بھی چیز کو وضعِ اصلی کے مطابق رکھنا دائرۂ ادب وتہذیب میں داخل ہے، چپل، جوتے کا طریقے اور سلیقے سے رکھنا آداب میں سے ہے، مزید یہ کہ چپل کی نچلی جانب پر مٹی لگنے کی وجہ سے عموماً میلی یا بسا اوقات گندگی بھی لگی ہوتی، جس سے طبیعت میں کراہت ہوتی ہے، نیز کسی بھی محترم شخصیت کی طرف چپل کی نچلی جانب کا رُخ کرنا پسندیدہ نہیں ہے، اس اعتبار سے چپل کی نچلی جانب کا آسمان کی طرف رُخ ہونا بھی پسندیدہ نہیں ہے؛ لہٰذا چپل سیدھی کرنا راحت رسانی کا ذریعہ ہے، اس لیے اچھی بات ہے اور یہ آداب میں سے ہے۔

اس کا تعلق فرض واجب یا سنت یا بدعت وغیرہ سے نہیں ہے۔ جو سیدھا نہ کرے اس کو ملامت بھی نہ کیا جائے، اور جو سیدھا کرے اسے سنت یا لازم کا درجہ نہ دے۔ فقط واللہ اعلم

فتویٰ نمبر:144112201175 دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

..... ❀ ..... ❀ ..... ❀ .....

ادارہ

چند عبقری شخصیات

مؤلف: مفتی عبد الرؤوف غزنوی صاحب مدظلہم۔ استاذِ حدیث جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی وسابق استاذ دارالعلوم دیوبند، انڈیا۔صفحات: ۴۷۵۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مکتبہ غزنوی، سلام کتب مارکیٹ، بالمقابل جامعہ بنوری ٹاؤن، کراچی۔ رابطہ نمبر: 0333-2114000

حضرت مولانا مفتی عبد الرؤوف غزنوی مدظلہم کئی علمی نسبتوں کے جامع اور امین ہیں، آپ کا مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند ہے، اور آپ کو وہاں کئی سال تدریس اور دارالعلوم دیوبند کی جامع مسجد (مسجد قدیم) میں امامت اور خطابت کا بھی شرف حاصل ہے، نیز جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں بھی تدریس کو تقریباً تین دہائیاں بیت چکی ہیں اور اس وقت بھی جامعہ میں صحیح بخاری اور جامع ترمذی جیسی اہم کتب آپ سے متعلق ہیں۔ آپ عمدہ تدریسی ذوق کے ساتھ ساتھ اردو اور عربی کا شستہ اور شائستہ تحریری ذوق بھی رکھتے ہیں، اب تک اردو اور عربی زبان میں ان کے کئی تحریری مجموعے شائع ہوکر اہلِ علم واصحابِ ذوق سے داد حاصل کر چکے ہیں۔

زیرِ تبصرہ کتاب ''چند عبقری شخصیات'' گزشتہ سال شائع ہوئی ہے، جو برصغیر پاک وہند، عرب ممالک اور افغانستان کی ممتاز اور چنیدہ ۲۳ علمی شخصیات پر تأثراتی مضامین کا مجموعہ ہے۔کل شخصیات ومضامین کی تعداد ۲۳ ہے، ان میں سے چند اہم شخصیات کے نام درج ذیل ہیں:

مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ، مولانا عبدالرحمٰن غزنویؒ، مولانا عبدالغفور غزنویؒ، مفتی محمود حسن گنگوہیؒ، مولانا معراج الحق دیوبندیؒ، مولانا نصیر احمد خان بلندشہریؒ، شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ، شیخ عبدالعزیز ابن بازؒ، شیخ ابن عثیمینؒ، مولانا حبیب اللہ مختار شہیدؒ، مفتی رحمت اللہ شہیدؒ، مولانا ریاست علی بجنوریؒ، مفتی سعید احمد پالن پوریؒ، وغیرہ۔

بلاشبہ اس کتاب کی یہ نمایاں خصوصیت قرار دی جاسکتی ہے کہ یہ ایک مستند کتاب ہے، جس کی معلومات یقین کی حد تک درست ہیں، کیونکہ اس کتاب کے مؤلف کو جاننے والے جانتے ہیں کہ وہ ایک محقق شخصیت ہیں، جو بغیر تحقیق کے کوئی بات تحریر میں تو کجا زبان پر بھی نہیں لاتے۔ مؤلف کسی شخصیت سے متعلق تبصرہ وتجزیہ میں بھی انتہائی محتاط ہیں، ان کے مضامین میں شخصیات سے متعلق نپے تلے تجزیے بھی انتہائی اہمیت وافادیت کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ دلچسپ بھی ہیں۔ یہ کتاب تذکرہ وسوانح کے باب میں ایک مفید اور جاندار اضافہ ہے۔ اُمید ہے اہلِ ذوق اس کتاب سے استفادہ کریں گے۔

کتاب کا ٹائٹل خوبصورت، کاغذ اعلیٰ اور طباعت عمدہ ہے۔

تاریخی مکاتیب (جلد اول ودوم)

ترتیب وتحشیہ: مولانا محمد طفیل کوہاٹی۔ صفحات جلد اول: ۲۶۶۔ صفحات جلد دوم: ۳۹۷۔
قیمت: درج نہیں۔ ناشر: ادارہ اشرفیہ عزیزیہ، کوہاٹ۔ رابطہ نمبر: 0332-5056978

مکاتیب' اردو ادب کی ایک اہم صنف ہے، جس میں دو شخصیتوں کے باہمی ربط وتعلق کے بے تکلف اظہار کے ساتھ ان کے افکار وخیالات کا مستند ذریعہ سے علم ہوتا ہے، اور فکر ونظر خود شخصیت کے قلم سے سامنے آتی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی، خواجہ محمد معصوم، شاہ ولی اللہ، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا اشرف علی تھانوی، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہم اللہ اور عرب وعجم کی دیگر اَن گنت شخصیات کے مجموعہ ہائے مکاتیب اس صنف کا قیمتی ذخیرہ ہیں۔ ان مجموعوں کی نوعیتیں بھی مختلف ہیں، بعض پر علمی رنگ غالب ہے اور بعض پر اصلاح وسلوک کا، اور بعض میں باہمی تبادلۂ خیالات کا۔ ان مجموعوں سے استفادہ کرتے ہوئے متعلقہ شخصیات، ان کے افکار وخیالات اور دیگر پہلوؤں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

اردو ادب میں مکاتیب کی تدوین واشاعت کے حوالے سے بنیادی طور پر دو رُخ دیکھنے کو ملتے ہیں: ایک طبقہ ان مکاتیب کو بلا کم وکاست پیش کرنے کا روادار ہے، اور دو شخصیتوں کے باہمی سربستہ رازوں، دیگر معاصر وقدیم شخصیات کے متعلق ان کی آراء وافکار، اور خالص نجی نوعیت کے احوال کو بھی جُوں کا تُوں شائع کرنے کا داعی ہے، جبکہ دوسرے طبقے کی رائے ہے کہ نجی نوعیت کے مکاتیب میں شرعی اُصولوں کی پاس داری ضروری ہے۔

ہمارے بزرگوں نے مکاتیب کے جو مجموعے شائع کیے ہیں، ان میں شرعی اصولوں کا لحاظ رکھا ہے، مثلاً: ''اذكروا محاسن موتاكم، وكفوا عن مساويهم.'' (ابوداود وترمذی) یعنی ''اپنے مُردوں کی خوبیوں کا تذکرہ کرو، اوران کی خامیوں کے ذکر سے گریز کرو۔'' اور ''أقيلوا ذوي الهيئات

عثراتهم إلا الحدود.'' (ابوداود ونسائی) یعنی'' ایسے لوگ جو معاشرے میں مرتبہ ومقام کے حامل ہوں، اور ان کی خوبیاں' خامیوں پر غالب ہوں، حدود کے معاملات کے سوا اُن کی لغزشوں سے درگزر کرو۔'' کیونکہ ایسے لوگوں کی خامیاں اُچھالنے سے معاشرے میں انتشار پیدا ہوتا ہے۔ یہ دونوں حدیثیں دیگر جہتوں کے علاوہ مکاتیب کی اشاعت کے لیے اہم اصول کی حیثیت رکھتی ہیں، جن کا لحاظ رکھا جانا چاہیے۔

پیشِ نظر مجموعہ مکاتیب جواں سال عالم مولانا محمد طفیل کوہاٹی کی محنت وکاوش کا نتیجہ ہے، انہیں اپنے اکابر کے افادات عام کرنے کا قابلِ رشک جذبہ ہے، وقتاً فوقتاً ان کے مفید کام سامنے آتے رہتے ہیں۔ اس مجموعے کی پہلی جلد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ۱۰۷ خطوط پر مشتمل ہے، اور دوسری جلد مولانا عبدالحق نافع گل رحمۃ اللہ علیہ کے نام محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے ۱۴۲ خطوط پر مشتمل ہے۔ مرتب موصوف کی کوشش قابل داد ہے، انہوں نے خطوط کی تدوین اور ترتیب میں کافی محنت کی ہے، لیکن بعض پہلوؤں سے مزید توجہات کی ضرورت محسوس ہوتی ہے:

کتاب کی دوسری جلد کے بعض مکاتیب ماہنامہ بینات میں بھی شائع کیے گئے ہیں، لیکن مرتب محترم کو شکوہ ہے کہ بینات میں ان خطوط کو مکمل شائع نہیں کیا گیا۔ ادارہ بینات اس سلسلے میں شرعی اصولوں کا پابند اور بزرگوں کے مذکورہ بالا منہج پر گامزن ہے۔ ان مکاتیب میں بعض خالص نجی نوعیت کی باتیں بھی آگئی ہیں، جنہیں جانبین کے درمیان راز کی حیثیت حاصل ہے، ایسے امور میں خود کاتب ومکتوب الیہ یا ان کے ورثاء کی اجازت دیانتاً ضروری معلوم ہوتی ہے، بلکہ بعض اُمور میں ورثاء کی اجازت کے بعد بھی ان امور کی اشاعت مناسب نہیں ہوگی۔ شخصیات کے ابتدائی دور کے بعض احوال ان کے آخری دور یا ان کی وفات کے بعد اُجاگر کرنا مناسب نہیں ہوتا، بلکہ ایسے امور میں احتیاط برتنا ہی مناسب ہوتا ہے، ہمارے اکابر کا یہی اُسلوب رہا ہے اور ادارہ بینات بھی نجی نوعیت کے ایسے امور کو منظرِ عام پر لانا شرعاً مناسب نہیں سمجھتا۔

مرتب محترم نے مکاتیب کے کئی مقامات پر حواشی لکھے ہیں، مگر اس معاملہ میں توازن واعتدال محسوس نہیں ہوتا، بعض جگہ حاشیے کی اتنی ضرورت محسوس نہیں ہوتی جس قدر اہتمام کیا گیا ہے، جب کہ بعض مواقع پر حاشیہ لگانا مناسب معلوم ہوتا ہے، وہاں کوئی وضاحت یا حاشیے کا اضافہ نہیں کیا گیا۔

اُمید ہے کہ مرتب موصوف ان نکات پر غور کرتے ہوئے آئندہ طبع میں نظرِ ثانی کا اہتمام کریں گے۔ کتاب کا کاغذ اور معیارِ طباعت بھی مزید توجہ کا متقاضی ہے۔

..... ✲ ..... ✲ ..... ✲ .....